وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ

تابعین اصحاب احمدؑ

جلد دوم

صلاح الدین ملک ایم، اے

13605

احمدیہ بک ڈپو، ربوہ، پاکستان

وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ

تابعین اصحاب احمدؑ

Prof. Syed Akhtar Ahmad
AKHTAR OREYVI COLLECTION
Donated by
Mrs. Shakila Akhtar, Patna

جلد دوم

uda Bakhsh O.P. Library
Patna
Acc No 13605
Date 27-1-79
Section

صلاح الدین ملک
ایم۔اے

297.86

لاہور آرٹ پریس انارکلی
لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

پیش لفظ

تابعین اصحاب احمد جلد اوّل میں اِس سلسلہ کے شروع کرنے کی غرض و غایت درج کر چکا ہوں۔ یہ دوسری جلد اخویم مولوی مصلح الدین احمد صاحب راجیکی مرحوم کے حالات اور منثور و منظوم کلام پر مشتمل شائع کی جا رہی ہے۔ مَیں مرحوم کے بھائی مکرم مولوی مبشر احمد صاحب راجیکی کا ممنون ہوں جنہوں نے نہایت محنت سے یہ مواد فراہم کیا۔ اسی طرح مرحوم کے دوسرے بھائی مکرم مولوی برکات احمد صاحب راجیکی بی۔ اے (ناظر امور عامہ و خارجیہ) قادیان بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اِس مسودہ پر نظر ثانی کر کے مفید مشورے دیئے۔ جزاھما اللہ احسن الجزاء۔

یہ "حیاتِ مصلح" تین حصص پر مشتمل ہے

(۱) سوانح حیات۔

(۲) منثور کلام۔

(۳) منظوم کلام۔

اخویم مرحوم کے حالاتِ زندگی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصائب و آلام اور ابتلاء و اسقام جو زندگی بھر مرحوم کو گھیرے رہے جب مرحوم نے انہیں صبر و ثبات اور بشاشت

سے برداشت کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مرحوم کے رفع روحانی اور حسنِ خاتمہ کا موجب بنا دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

اِنَّ العبد اذا سبقت لہٗ من اللہ منزلۃ لم یبلغھا بعملہ ابتلاہ فی جسدہٖ او فی مالہٖ او فی ولدہٖ ثمّ صبّرہٗ علیٰ ذٰلک حتّٰی یبلّغہ المنزلۃ الّتی سبقت لہٗ من اللہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

یعنی جب کوئی بندہ اس مقام پر جو اللہ تعالےٰ کے نزدیک اس کے لئے مقدّر ہو چکا ہے اپنے عمل سے نہیں پہنچ سکتا تو اللہ تعالےٰ اُس کو جسم، مال یا اولاد کے دُکھ میں مبتلا کر دیتا ہے اور اُس کو صبر کی توفیق عطا کرتا ہے اور اس طرح اُس کو اُس مقام پر فائز کر دیتا ہے جو اللہ تعالےٰ کے نزدیک اُس کے لئے پہلے سے مقدّر ہے۔

آپ کا حسنِ خاتمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ کے عین مطابق ہے۔ اللّٰھمّ اغفرلہٗ وارحمہٗ وارفع درجاتہٖ فی جنّۃ النعیم۔ آمین

آپ کے منظوم کلام کا اکثر حصّہ جماعت احمدیہ کے اخبارات و رسائل میں شائع ہو کر قبولِ عام کی سند حاصل کر چکا ہے۔ آپ کے اشعار سوز و درد اور جذب کے اعتبار سے ایک ممتاز خصوصیت کے حامل ہیں۔ اخویم مولوی مبشّر احمد صاحب نے اسے یکجا جمع کر کے بہت

بھاری خدمت سرانجام دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اِس یادگار کو مرحوم کے لئے صدقہ جاریہ اور ثوابِ وافر کا موجب بنائے اور ہم سب کا بھی حافظ و ناصر ہو۔ آمین۔

خاکسار

۵ر فروری ۱۹۶۲ء

صلاح الدین ملک

ممبر و آڈیٹر ہر سہ انجمن ہائے قادیان

(صدر انجمن احمدیہ، انجمن تحریک جدید و انجمن وقفِ جدید)

بابت اصحابِ احمدؐ

۱- اصحابِ احمد جلد یازدہم اپریل میں طبع کی جا رہی ہے۔

۲- اصحابِ احمد جلد چہارم (بابت حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کپورتھلوی) دوسری بار طبع کی جا رہی ہے۔

۳- حضرت مرزا شریف احمد صاحب، حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحبؓ، حضرت حافظ نبی بخش صاحب، حضرت میاں رحیم بخش صاحب (رضی اللہ تعالٰے عنہم) اور بعض اور بزرگان کے سوانح قریب کے عرصہ میں شائع کرنے کا پروگرام ہے۔ و باللہ التوفیق۔

مؤلف اصحابِ احمدؐ

صلح الدین احمد راجیکے ولادت فروری ۱۹۱۲ء وفات ۲۶ فروری ۱۹۵۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم ÷ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم
وعلی عبدہ المسیح الموعود

Khuda Bakhsh O.P. Library
Patna
Acc No. 13605
Date 27-1-79
Section........

حیاتِ مُصلح

ولادت اور بشارات

برادرم مولوی مصلح الدین احمد صاحب راجیکی کی پیدائش اپنے ننھیال موضع پیرکوٹ ثانی تحصیل حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ میں ۴ر فروری ۱۹۱۲ء (مطابق ۱۴ر صفر ۱۳۳۰ ہجری) کو ہوئی۔ ولادت سے قبل آپ کے والد حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی کو رؤیا میں بتایا گیا کہ آپ کی اہلیہ کے بطن میں ایک مسیحی صفت بچہ ہے۔ جو روحانی قوت کے لحاظ سے شیر ہے۔ مزید یہ کہ ایک ایسا لڑکا پیدا ہونے والا ہے جس کے روحانی انتشار کی وجہ سے فضائے عالم پُر ہو گئی ہے۔ اور روحانی لحاظ سے اس کے اسماء معین الدین، مصلح الدین احمد، مصطفےٰ، احمد، ابراہیم، یعقوب، مسیح احمد اور تجلیات احمد ہیں۔

آپ کی والدہ ماجدہ محترمہ عزیز بخت صاحبہ نے بھی مرحوم کی ولادت سے قبل خواب میں دیکھا کہ اُن کے برادر حقیقی میاں عبد الرحمٰن صاحب مرحوم نے آپ کو ایک ڈبیہ دی جس میں سے جواہر کی سی شعاعیں نکل رہی ہیں اور اس کے ساتھ پانچ روپے بھی ہیں۔ (المقالات القدسیہ جلد چہارم غیر مطبوعہ)

آپ کی ولادت پر حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے تحریر فرمایا :-

"مبارک :- ایک عرصہ ہوا حضرت صوفی غلام رسول صاحب نے مجھے اپنا ایک رؤیا سنایا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میری بیوی کے پیٹ میں گھس گئے ہیں - میں نے تعبیر عرض کی تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عیسوی صفت لڑکا عطا کرے گا - اب مولوی صاحب نے یہ بشارت سنائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مولود مسعود عطا فرمایا ہے جس کا نام انہوں نے بعض الہامات کی بناء پر مصلح الدین مسیح احمد رکھا ہے - اللہ تعالیٰ مبارک کرے اور مولود کو مسعود اور جیسا کہ اس کا نام رکھا گیا ہے واقعی مظہر مسیح، معین الدین اور مصلح الدین بنائے - آمین" (بدر ۴ محرم ۱۵)

حضرت مولانا راجیکی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ جب ہم احاطہ حضرت میاں چراغدین صاحبؓ لاہور میں مقیم تھے عزیز مصلح الدین کی چھ سات سال کی عمر کا واقعہ ہے کہ عزیز کھیل رہا تھا کہ کسی لڑکے کے چھیڑنے پر عزیز نے اس لڑکے کو مارا اور وہ رونے لگا - میں اس وقت حضرت امام رازیؒ کی تفسیر کبیر جس کا نام مفاتیح الغیب ہے پڑھ رہا تھا - رونے کی آواز سن کر میں مکان کے بالاخانے سے نیچے اترا اور مصلح الدین کو ایک تھپڑ مارا جس پر وہ بھی رونے لگ گیا اور میں واپس جاکر مطالعہ میں مصروف ہوگیا - اسی اثناء میں مجھ پر نوم غیر طبعی طاری ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ :-

"مصلح الدین کو تو نے کیوں مارا وہ تو تجلیاتِ احمد ہے اور وہ

بچہ جو ابھی شکمِ مادر میں ہے برکات احمدؑ ہے۔"
(المقالات القدسیہ جلد چہارم غیر مطبوعہ)

حُلیہ آپ کا قد میانہ، رنگ گندمی، پیشانی روشن، سینہ کشادہ، سر کے بال باریک اور سیدھے، آواز رسیلی اور متاثر کرنے والی تھی۔ آخری ایام میں خرابیٔ خون کی وجہ سے رنگ سُرخی مائل ہوگیا تھا اور گوناگوں پریشانیوں اور طویل بیماری کی وجہ سے جسم لاغر ہوگیا تھا۔

عہدِ طفولیت اور تعلیم مرحوم کا عہدِ طفولیت زیادہ تر پیر کوٹ ثانی، لاہور اور قادیان میں گزرا۔ کھیل کود کا شائق ہونے کے ساتھ آپ کی طبیعت عبادات کی طرف مائل تھی۔ آپ فطرۃً بہادر اور ملنسار تھے اور اپنی جاذبیت کی وجہ سے ہم عمر دوستوں کے حلقہ میں گھرے رہتے تھے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ احمدیہ قادیان میں حاصل کرنے کے بعد جامعہ احمدیہ قادیان سے ۱۹۲۵ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا اور اس موقعہ پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے والد ماجد کو تہنیتی مکتوب موصول ہوا۔ آپ کو حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ، حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؓ حلالپوری جیسے فضلاء کا شرفِ تلمذ حاصل ہوا۔ ۱۹۴۲ء میں آپ نے پرائیویٹ طور پر منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ادب، طب اور تصوف کا مطالعہ آپ دلچسپی سے کرتے۔ قرآن مجید اور کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے آپ کو خاص

شغف تھا۔ ذہن رسا ودیعت ہوا تھا اور اپنے علم کو سلیقہ سے استعمال کر سکتے تھے۔

بعض فضائل

آپ گھر کے کسی ادنیٰ کام کو کرنے میں عار محسوس نہ کرتے اور دوسروں کی خدمت میں خوشی محسوس کرتے۔ بوقتِ ضرورت کپڑے دھو لیتے۔ ہانڈی روٹی پکا لیتے۔ والد ماجد کی زندگی کا اکثر حصہ تبلیغی اغراض کے ماتحت باہر گزرا ہے۔ اس وجہ سے گھر کی دیکھ بھال مرحوم ہی کے ذمہ تھی اور آپ جملہ فرائض تندہی اور خندہ پیشانی سے بجا لاتے۔ بیمار کا پوری توجہ اور ہمدردی سے علاج اور تیمارداری کرتے۔ سارے افرادِ خانہ میں آپ کی باتوں سے خوشی و انبساط کی لہر دوڑ جاتی۔ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں سے محبت و شفقت کا برتاؤ کرنے کے عادی تھے لیکن بوقتِ ضرورت تربیت کے لئے تادیب بھی کرتے۔ صفائی کا خیال ہر جہت سے رکھتے۔ سچ ہے

تَن اُجلا سو مَن اُجلا

ازدواجی زندگی

آپ کی شادی اپنے ماموں محترم حکیم محمد حیات صاحب مرحوم کی دختر نیک اختر سکینہ بی بی صاحبہ سے ہوئی۔ اس نکاح کا اعلان سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۹۳۸ء میں فرمایا اور لڑکی کی طرف سے حضور ہی ولی تھے۔ ان کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک فرزند عطا فرمایا جس کا نام حضور ہی نے محی الدین احمد تجویز فرمایا تھا۔ عزیز ربوہ میں زیر تعلیم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر رنگ میں اس کا حافظ و ناصر ہو۔ آمین

خدمتِ سلسلہ

تحریک جدید کے ابتدائی دور میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی

ایدہ اللہ تعالیٰ کی تین سالہ وقف کی تحریک پر مرحوم نے اپنے آپ کو پیش کر دیا اور حضور کی ہدایات کے ماتحت ویدک یونانی دواخانہ دہلی میں ایک عرصہ تک کام کرتے رہے۔ مرکزی ادارہ جات میں سے آپ کو جامعہ نصرت قادیان، دفتر بہشتی مقبرہ، دفتر پرائیویٹ سیکرٹری اور دفتر امورِ عامہ میں متفرق اوقات میں خدمتِ سلسلہ کا موقع ملا۔ ۱۹۴۷ء کے پُرخطر ایام میں آپ قادیان میں مقیم رہے اور بڑے شوق اور جذبۂ قربانی سے خدمتِ سلسلہ بجا لاتے رہے۔ لیکن حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی یہ ہدایت تھی کہ قادیان میں دو یا دو سے زیادہ حقیقی بھائی ہوں تو اُن میں سے صرف ایک قادیان میں رہے۔ اُس وقت آپ اور مکرم مولوی برکات احمد صاحب دونوں قادیان میں تھے اور ہر دو برادران قادیان میں ٹھہر کر خدمت بجا لانے پر مصر تھے۔ اور چونکہ مولوی برکات احمد صاحب کے سپرد بعض اہم فرائض تھے جن کو ادا کرنے کے لئے ان کا قادیان میں ٹھہرنا لابدی تھا اسلئے بادلِ ناخواستہ برادرم مرحوم کو پاکستان جانا پڑا۔

تبلیغ تبلیغِ حق کا آپ کو بہت شوق تھا۔ گفتگو بڑے دلکش اور مؤثر انداز میں کرتے۔ زبان بہت شیریں اور پُرتاثیر تھی۔ ہزاروں افراد تک پیغامِ حق پہنچانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی سال میں ایک ماہ تبلیغ کے لئے وقف کی تحریک پر لبیک کہتے ہوئے کئی سال تک ایک ایک ماہ آپ وقف کرتے رہے۔ مکیریاں ضلع ہوشیارپور کے تبلیغی مرکز میں کئی بار آپ کو جانے کا موقع ملا۔ اسی طرح جب حضور نے

تحریک فرمائی کہ فارغ احباب تبلیغ کے لئے باہر نکل جائیں تو آپ پاپیادہ ہی اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور قادیان سے سہارنپور تک گئے اور ایک دفعہ رانچی، بھوپال اور بمبئی وغیرہ دُور دراز کا سفر اختیار کیا۔ اور کراچی اور حیدر آباد سندھ بھی گئے۔

آپ کو مجلسی علم میں کمال حاصل تھا۔ گفتگو بڑے مؤثر انداز میں کرتے تھے اور اس سے تبلیغ میں مدد ملتی تھی۔ مکرم مولوی محمد یاسین صاحب چکوالی بیان کرتے ہیں کہ جب قصبہ مکیریاں (ضلع ہوشیار پور) کو تبلیغی مرکز بنایا گیا تو ابتدا میں مبلغین کو قیام کے لئے کوئی جگہ نہ ملتی تھی اور کوئی شخص بات سننے کو تیار نہ ہوتا تھا۔ مرحوم وہاں تبلیغ کے لئے پہنچے تو یہ صورتِ حال دیکھ کر معززین کی مجلس میں جا پہنچے اور ان سے گفتگو میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد گفتگو کا رُخ ہیر وارث شاہ کی طرف پھیرا اور اُس کے بعض اشعار کی مرحوم نے ایسی لطیف تشریح کی کہ حاضرینِ مجلس مسحور ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ آپ نے اپنا نام و پتہ بتایا اور قادیان سے مکیریاں آنے کا مقصد بھی واضح کیا۔ اس طرح آپ کی حکمتِ عملی سے وہاں کے معززین کے پاس ہمارا آنا جانا ہو گیا اور تبلیغ کی راہیں کھل گئیں۔

مرحوم سناتے تھے کہ میں ایک دفعہ رانچی (صوبہ بہار) میں گرجا میں چلا گیا اور پادری صاحب سے پوچھا کہ آپ کا پیغام کیا ہے؟ کہنے لگے یہی کہ "خدا کی بادشاہت میں داخل ہو جاؤ"۔ میں نے پوچھا کیا آپ خدا کی بادشاہت میں داخل ہو چکے ہیں؟ کہنے لگے ہاں۔ اس پر میں نے کچھ نقدی جیب سے

نکال کر میز پر رکھ دی اور کہا کہ آپ مفلس آدمی معلوم ہوتے ہیں میری طرف سے یہ حقیر رقم قبول فرمائیں۔ کہنے لگے نہیں میں تو دولت مند آدمی ہوں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے یہ پیسے اُٹھالیں۔ مَیں نے کہا پادری صاحب! جس بادشاہت کے آپ مدعی ہیں اس کے متعلق انجیل کہتی ہے کہ:۔

"اونٹ کا سُوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولتمند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو" (متی $\frac{19}{24}$)

پادری صاحب لاجواب اور مبہوت ہو گئے۔

پشاور میں جب ۱۹۵۶ء میں آپ کو پانچ چھ ماہ قیام کا موقع ملا تو ایک روز احمدیہ مسجد میں ایک غیر احمدی مولوی صاحب نے دورانِ گفتگو میں کہا کہ احمدی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نہیں کرتے۔ یہ بات سُن کر مولوی مصلح الدین صاحب پاس آ گئے اور غیر احمدی سے کہنے لگے کہ کیا وہ لوگ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دن میں ہزار دفعہ دُرود بھیجتے ہیں آپ اُنکے متعلق کہتے ہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نہیں کرتے۔ غیر احمدی نے کہا کہ کون حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دن میں ہزار مرتبہ درود بھیجتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ایک احمدی تو مَیں ہوں کہ روزانہ کم از کم ہزار بار دُرود بھیجتا ہوں۔ یہ سُن کر وہ صاحب دیر تک آپ کی طرف دیکھتے رہے اور پھر خاموشی سے اُٹھ کر چلے گئے۔ (بیان مکرم مولوی چراغ دین صاحب مربی پشاور)

مجاہدات اور دعاؤں میں شغف

عنفوانِ شباب سے آپ کو مجاہدات کا شوق تھا نفلی روزے

بکثرت رکھتے تھے اور جب سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ نفلی روزوں کی تلقین فرماتے تو اس کی بھی تعمیل کرتے۔ تہجد میں گریہ وزاری دعاؤں پر زور، ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن مجید آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ لیکن بزرگوں سے ملاقات میں حجاب محسوس کرتے تھے اسلئے بہت کم ملتے تھے۔ اخویم عطاء اللہ صاحب بھٹی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز مرحوم نے فرمایا کہ تزکیہ نفس کے لئے کچھ مجاہدہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ میری بیٹھک تجویز ہوئی جس میں مرحوم نے اور میں نے مصلّے بچھالئے اور دنیوی مشاغل سے کنارہ کش ہو کر ہم دو ماہ تک وظیفہ اور ذکر الٰہی میں مصروف رہے۔

نمود و نمائش سے آپ کو نفرت تھی۔ چنانچہ جمعدار نعمت اللہ صاحب نے سنایا کہ ایک روز نواحِ قادیان میں میں نے جھاڑیوں کی اوٹ میں کسی کو دیکھا۔ قریب پہنچا تو مرحوم کو نفل پڑھتے پایا۔ استفسار پر کہنے لگے کہ لطف اسی عبادت میں آتا ہے جو لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر کی جائے۔

حضرت مولوی صاحب کے پاس پشاور میں ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۲ تک آپ کے قیام کا زمانہ زیادہ تر مجاہدات میں گزرا۔ مسجد میں سکونت تھی۔ اکثر نفلی روزے رکھتے۔ دن ذکر و فکر میں گزرتا اور رات گریہ و زاری میں بسر ہوتی۔ ان ایام میں آپ نے کسی خاص مقصد کے لئے روزے رکھنا شروع کئے۔ ڈیڑھ دو ماہ گزر گئے تو خیال آیا کہ اگر بروزِ قیامت اللہ تعالےٰ نے پوچھا کہ میرے لئے بھی کچھ کیا تھا تو کیا جواب دوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد آپ نے محض رضائے الٰہی کے لئے آٹھ نو ماہ تک صوم الوصال کے روزے رکھے۔

گرمیوں کا موسم تھا اور خرابیٔ خون کا برسوں پُرانا مرض پُورے جوش پر۔ اس مجاہدہ نے آپ کو بہت کمزور کر دیا۔ ڈاکٹروں کے منع کرنے پر بھی آپ نے وہ عہد پُورا کر کے چھوڑا۔ اس دَوران میں آپ کو کئی رؤیا بھی ہوئیں۔ ایک دفعہ خواب میں اشارہ ہوا کہ نظمیں لکھو۔ چنانچہ ان ایام میں آپ نے کئی نظمیں کہیں جو ایک خاص رنگ و اسلوب اور جذب و تاثیر رکھتی ہیں۔ ؎

؎ چند اشعار بطور نمونہ ذیل میں درج ہیں :-

ہو گئیں اُس کی دعائیں مستجاب ÷ چشمِ گریاں سے کیا جس نے وضو

چار سُو جلوہ نما ہے دلستاں ÷ دل اگر سجدہ کناں ہے قبلہ رُو

سلیقہ نہیں تجھ کو رونے کا ورنہ ÷ بڑے کام کا ہے یہ آنکھوں کا پانی

کہیں طوفاں کہیں شورِ قیامت بن کے اُٹھتا ہے
میں سمجھا تھا کہ دردِ عشق چشمِ خونفشاں تک ہے

شبِ فرقت کا رونا ہے مری قسمت میں اے مصلح
فغاں میری سحر تک ہے سحر میری فغاں تک ہے

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

دعاؤں پر یقین اور بعض رؤیا

آپ رؤیائے صادقہ سے مشرف ہوتے اور خواب میں بعض گزشتہ بزرگوں کی زیارت بھی نصیب ہوتی تھی۔ بچپن کا خواب سُناتے تھے کہ حضرت مولانا سیّد محمد سرور شاہ صاحبؓ اور میں دونوں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہیں۔ حضرت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵

اگر آنکھوں میں ہو اندازِ مازاغ البصر پیدا
کھُلے مُنہ جگمگاتا ہے جمالِ سرمدی اب بھی

جانے کس قبلے کی جانب پھر گیا رُوئے نیاز
خود چلا آتا ہے کعبہ جذبِ ایماں دیکھ کر

بے سبب اُلجھا کئے دیر و حرم ٭ وہ حبیبِ لامکانی اور ہے

اِس سے بھی کچھ سوا ہے میری زندگی کا حال
جو کچھ ترے پیار میں کہلا رہا ہوں میں

نہ ملا کوئی ٹھکانا مری بے قراریوں کو
کہیں رو کے رات کاٹی کہیں رو کے دن گزارا

(باقی صفحہ ۱۷ پر)

مولوی صاحبؓ عرض کرتے ہیں کہ حضور! اس عزیز کے لئے دُعا فرمائیں یہ ہندوستان کے قدیم برہمنوں کی اولاد میں سے ہے۔ چنانچہ آنحضورؐ نے اِس عاجز کے لئے دُعا فرمائی۔

ایک دفعہ آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو رؤیا میں دیکھا کہ

از قلم: [illegible]

جلنا ہی مرا مقسوم سہی مٹنا ہی مرا انجام سہی
کچھ دیر تو اپنی محفل میں اے جلوۂ جاناں رہنے دے
شاید کہ اسی سے محشر میں مصلح کا مداوا ہو جائے
اک اشکِ ندامت پلکوں میں اے دیدۂ گریاں رہنے دے

~~~~~~

ہزار شُعلے کرے فراہم یہ دہر برق و شرار بن کر
ہمارے اشکوں سے جو بھی اُلجھے بُجھا کے ہی ہم بُجھا کریں گے

~~~~~~

جس سے وابستہ ہے معمورۂ الفت کی سحر
میری قسمت میں وہ خورشید لقا ہے کہ نہیں
مغفرت جس کے لئے دیدہ براہ ہو مصلح
میرے عملوں میں کوئی ایسی خطا ہے کہ نہیں

~~~~~~

(باقی صفحہ ۱ پر)
~~~~~~

آپ شہنشاہ کی طرح کھڑے ہیں (اور اس میں کیا شک ہے کہ خلفاء روحانی شہنشاہ ہوتے ہیں) ایک دفعہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ تیری پیشانی پر مظہر جان جاناں لکھا ہوا ہے۔

جناح صاحب کی وفات پر آپ کی زبان پر حضرت اقدس مسیح موعود

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷

ایسے میں اگر تم آجاتے بھولوں کا بھرم تو کھل جاتا
معلوم نہیں کس برتے پر یہ حسن کا دعویٰ کر بیٹھے

تیرے فیض کی بدولت ہوئے شاد کام لاکھوں
کبھی اے بہارِ ہستی کوئی اس طرف اشارا

ترے فراق میں سب سے بڑی مصیبت ہے ÷ وہ مرحلہ کہ جسے انتظار کہتے ہیں

کاسۂ دعوات بھر دے دولتِ دیدار سے ÷ اے خدا مجھ کو بنا لے زمرۂ ابرار سے

مصلح کو جہاں میں گرتے ہی اُمیدِ کرم نے تھام لیا
عصیاں کی اندھیری راتوں میں رحمت کے اُجالے ساتھ لیے

اُٹھنے لگی ہے رُخِ منوّر سے پھر نقاب ÷ کچھ ہے ضرور اہلِ محبت کی آہ میں

علیہ السلام کا یہ شعر بار بار جاری ہوتا رہا ؎

کچھ کچھ جو نیک مرد تھے وہ خاک ہو گئے
باقی جو تھے وہ ظالم و سفاک ہو گئے

چنانچہ بعد کے حالات نے اس کی تصدیق کر دی

ایک دفعہ آپ نے ایک دوست کے متعلق خواب دیکھا کہ اس کا قد بہت چھوٹا ہو گیا ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد اُس دوست کے لئے ایک سخت ابتلائی صورت پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے اُس کو بہت پریشانی کا سامنا ہوا۔

مولوی فاضل کے امتحان کے لئے آپ نے بہت محنت کی کامیاب نہ ہوئے۔ دوسرے سال تیاری واجبی سی کی البتہ دُعاؤں پر بہت زور دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور کامیاب ہو گئے۔ بیان کرتے تھے کہ میں نے غلطی سے ایک مریض کو سم الفار (سنکھیا) مقدار سے بہت زیادہ دیدیا۔ اُس کی حالت یکدم بگڑ گئی۔ میں سخت گھبرایا اور نماز کے لئے کھڑا ہو گیا اور اپنے قصور کی معافی اور مریض کے لئے شفا کی دُعا کرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحم سے خطرہ ٹل گیا۔ محترم بھائی احمد دین صاحب ڈنگوی مدفون بہشتی مقبرہ ربوہ (برادر نسبتی حضرت بھائی عبدالرحمن صاحبؓ قادیانی) بیان کرتے تھے مولوی مصلح الدین صاحب قصبہ مکیریاں میں بغرض تبلیغ مقیم تھے۔ مجھے اُن دنوں ایک پریشان کن مشکل درپیش تھی۔ میں نے دُعا کی تحریک کی۔ آپ نے کہا کہ چلئے گاؤں سے باہر جا کر دُعا کریں۔ چنانچہ وہاں بہت دیر تک دُعا کی اور اس کے بعد مجھے کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کا کام ہو جائے گا۔ چنانچہ

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسا ہی ہوا۔

شاعری اور قادر الکلامی لیکن دنیا سے استغناء

آپ کی شاعری کوئی رسمی اور مصنوعی شاعری نہیں بلکہ ایک دردمند روح کی پکار ہے جسے آپ کی حساس طبیعت نے جنم دیا اور زمانے کے نامساعد حالات نے پروان چڑھایا ہے خلوص وصداقت اس کا طرۂ امتیاز اور درد و غم اس کے بنیادی عناصر ہیں۔ آپ کا اکثر منظوم کلام اُردو زبان میں ہے لیکن فارسی، عربی، پنجابی اور ہندی میں بھی آپ بے تکلف اشعار کہہ لیتے تھے جو خاص رنگ اور اسلوب کے حامل ہوتے۔ مواقع میسر آنے پر بھی آپ ایسی اعلیٰ ادبیانہ قابلیت سے دنیوی فوائد حاصل کرنے سے استغناء کا اظہار کرتے تھے۔ چنانچہ سندھ میں ایک ایسا موقع ملنے پر آپ نے اسے ٹھکرا دیا تھا کہ اس طرح میری مصروفیت تبلیغ میں حرج ہو گا۔

اسی طرح مولوی محمد یاسین صاحب چکوالی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ اخبار شہبانہ پیشاور میں کسی شخص کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں مولانا روم اور حافظ شیرازی کے بعض اشعار غلط لکھے ہوئے تھے۔ مولوی مصلح الدین صاحب مرحوم نے اپنی یادداشت سے اصل اشعار لکھ کر ایڈیٹر صاحب کو بھیج دیئے۔ ایڈیٹر صاحب نے بہت شکریہ ادا کیا اور لکھا کہ آئندہ علمی مضامین آپکو دکھائے بغیر شائع نہ کئے جائیں گے۔ آپ اس خدمت کے عوض مشاہرہ مطلوبہ سے مطلع فرمائیں اور خود معقول رقم کی پیشکش بھی کی لیکن آپ نے اس کا جواب نہ دیا اور میرے ذکر کرنے پر یہ کہہ کر بات کو ٹال دیا کہ مجھے اپنے جھمیلوں سے

فرصت کہاں!

مولوی مبشر احمد صاحب راجیکی بیان کرتے ہیں کہ اپنی زندگی کے آخری رمضان المبارک میں مرحوم بھائی حسبِ معمول عبادت گزاری میں پیش پیش تھے۔ مَیں نے اُن کی بعض تکالیف کے پیشِ نظر اُن سے کہا کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے آپ دعاؤں پر اور زور دیں۔ کہنے لگے کہ دُعائیں تو بہت کرتا ہوں لیکن معلوم یہی ہوتا ہے کہ اس دنیا میں میرا کوئی حصّہ نہیں۔

اُفتادِ طبع

مرحوم کی طبیعت انتہا پسند تھی۔ کسی ایک حالت پر قانع رہنا آپ کے لئے طبعاً محال تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نادیدہ عالم کی جستجو میں سرگرداں ہیں۔ یہ مادی دنیا اُن کی رُوح کی تشنگی کو کبھی بُجھا نہ سکی۔ ہمیشہ کسی باطنی کشمکش میں مبتلا رہے اور اسی کشمکش میں اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی ؎

گر نیاید بدوست رہ بُردن
شرطِ عشق است در طلب مُردن

جن کی مالی حالت اچھی نہ ہو لیسا اوقات وہ بخل پر آمادہ ہو جاتے ہیں یا خودداری کے قیمتی جوہر سے محروم ہو جاتے ہیں لیکن یہاں یہ بات نہ تھی۔ مرحوم دوست نواز تھے اور دوستوں کی خدمت میں مسرت محسوس کرتے تھے اور بہت خوددار تھے۔ اپنی تکلیف اور ضرورت کا اظہار حتّی الوسع نہ کرتے تھے۔ شیخ محمد انور صاحب نے سُنایا کہ آپ ایک دفعہ حیدرآباد سندھ سے پیدل سفر کرتے ہوئے میرے گاؤں ہلنوال ضلع لاہور میں وارد ہوئے۔ پاؤں

متورم اور چھالوں سے بھرے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر سخت رنج ہوا اور میں نے کہا مولوی صاحب! آپ نے یہ کیا کیا۔ کرایہ کے لئے مجھے لکھ دیا ہوتا۔ فرمانے لگے کسی کو کیا تکلیف دینی ہے ؎

مرا از شکستن چناں عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی

آپ خشک زاہد بھی نہ تھے بلکہ طبیعت میں ظرافت تھی۔ لطائف و ظرائف سے خوب لطف اندوز ہوتے۔ ملک منظور احمد صاحب نے سنایا کہ ۱۹۲۴ء میں مرحوم حیدرآباد سندھ آئے تو آپ کے پاس بستر نہ تھا میں نے رضائی اور چادر دی۔ کچھ عرصہ بعد ملے تو بے تکلفی کے باعث ہنس کر کہنے لگے کہ جب دن کو رضائی اٹھانی پڑتی ہے تو تمہیں کوسنے لگتا ہوں اور جب رات کو اسے اوڑھ کر آرام پاتا ہوں تو دعائیں دیتا ہوں۔

آپ غیرتِ ایمانی کے نیک وصف سے متصف تھے۔ ایک دفعہ آپ اپنے ننھیال پیر کوٹ میں تھے کہ "یوم التبلیغ" کے موقع پر تبلیغ کے لئے موضع چک چٹھہ چلے گئے۔ دورانِ گفتگو میں جب امام مسجد نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق گستاخانہ روش اختیار کی تو مرحوم برداشت نہ کر سکے اور اسے اس رنگ میں تنبیہہ کی کہ اسے مجلس سے اٹھ کر جاتے ہی بنی اور اس نے پیر کوٹ جا کر مرحوم کے ماموں حکیم محمد حیات صاحب مرحوم کے پاس شکایت کی کہ آپ کے بھانجے نے بھری مجلس میں مجھے ذلیل کیا ہے۔ اور دیرینہ تعلقات کا کچھ خیال نہیں کیا۔ مولوی صاحب مرحوم نے کہا کہ اس نے

حضور کے متعلق نازیبا الفاظ استعمال کئے تھے۔ میں انہیں برداشت نہیں
کر سکا۔

آپ نڈر اور دلیر طبع تھے۔ چنانچہ خواجہ عبدالکریم صاحب خالد بیان
فرماتے ہیں کہ ۱۹۴۷ء کے پُرآشوب زمانہ میں ایک روز قادیان کے محلہ
دارالسعة (جو ریلوے لائن کے پار موضع کھارا کی طرف ہے) کی طرف شور
اٹھا۔ ہم لوگ محلہ مذکور کی طرف دوڑ کر گئے۔ قریب پہنچے تو دیکھا کہ سامنے
مولوی مصلح الدین صاحب چلے آ رہے ہیں۔ ہم نے خیریت دریافت کی تو
کہنے لگے کہ کچھ شورہ پشت (دیہاتی سکھ) محلہ میں گھس آئے تھے۔ جب
میں مقابلے کے لئے نکلا تو سب بھاگ گئے۔

باوجود ناسازیٔ طبع مزید خدماتِ سلسلہ

آپ کی صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ میں بعض
خدمات کا ذکر سابقاً ہو چکا ہے۔ آپ تقریباً اٹھارہ سال خارش اور
خرابیٔ خون کے عوارض میں مبتلا رہے۔ موسم گرما میں تکلیف شدت اختیار
کر لیتی۔ زخم ہرے ہو جاتے۔ پیٹھ کا گوشت گل جاتا۔ کان کا ناسور رسنے
لگتا۔ حضرت مولوی صاحب کی قلمی کتاب "المقالات القدسیہ فی
الافاضات الاحمدیہ" جو انہوں نے پشاور کے قیام میں لکھنی
شروع کی تھی اور کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ باوجود ان سب عوارض کے
مرحوم نے ان جلدوں کے واقعات کو خوب قابلیت سے خلاصۃً مرتب کیا جو
"حیاتِ قدسی" حصہ اوّل و دوم کے طور پر شائع کئے گئے۔ ۱۹۵۲ء کے

اواخر میں ربوہ آکر آپ نے صیغہ بہشتی مقبرہ اور پھر ۱۹۵۵ء تک دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں خدمت بجالانے کا موقع پایا۔

کوس رحیل ۱۹۵۵ء سے آغاز ۱۹۵۸ء تک آپ ربوہ سے باہر رہے۔ یہ زمانہ زیادہ تر سفر، پریشانی اور بیماری میں گزرا۔ لیکن اس پیکرِ وفا کے پائے ثبات میں ذرا بھی تزلزل نہ آیا۔ بڑی سخت آزمائش تھی مگر آپ اس آگ سے کندن بن کر نکلے۔ سچ ہے الاستقامۃ فوق الکرامۃ۔ دورانِ سفر میں آپ نے ایک سفر نامہ "کوس رحیل" کے نام سے مرتب کیا۔ جس میں سفر کے حالات کے علاوہ اپنی انفعالی کیفیات کا بڑے مؤثر اور دردناک الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے اس سفر نامہ کے آخر میں (جو اس کتاب میں درج ہے) آپ لکھتے ہیں:۔

"اے گردشِ افلاک کے مالک مجھ پر رحم کر! اے تقدیروں کے بدلنے والے میری حالتِ زار کو دیکھ۔ مجھے تیری ذات کی قسم ہے میں اپنی زندگی سے عاجز آگیا ہوں مجھے تیری رحمت کا واسطہ ہے کہ میرے گناہوں کو بخش دے اور اب مجھے اس دنیا میں زیادہ عرصہ رہنے کی مہلت نہ دے!!"

چنانچہ اس کے تھوڑا عرصہ بعد ہی آپ وفات پا گئے۔

آخری علالت فروری ۱۹۵۸ء میں آپ واپس ربوہ آکر نظارت امور عامہ میں متعین ہوئے اور کمزوری

صحت کے باوجود تندہی سے خدمتِ سلسلہ بجا لاتے رہے۔ اسی اثناء میں آپ پر ہیٹ سٹروک کا شدید حملہ ہوا جس نے رہی سہی صحت کو بھی برباد کر دیا۔ اواخر ۱۹۵۰ء تک آپ بالکل مشتِ استخواں ہو چکے تھے۔ لیکن اپنی جواں ہمتی کی وجہ سے چارپائی پر بہت کم لیٹتے۔ حتیٰ کہ وفات سے چند روز قبل تک بھی آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ کسی کے سہارے حوائجِ ضروریہ سے فارغ ہوں۔ ایک دفعہ گر بھی گئے اور سخت چوٹ آئی۔

بھائی مبشر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دن بھائی صاحب کو زیادہ مضمحل دیکھ کر میں بزرگوں کی خدمت میں دُعا کیلئے خط لکھ رہا تھا کہ بھائی نے پوچھا کیا کر رہے ہو؟ میں نے بتایا تو کہا کہ محترم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی خدمت میں بھی لکھ دو۔ لیکن لفافے ختم تھے۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا کیا ہوا کہ اگلے روز محترم چوہدری صاحب خود ہمارے ہاں تشریف لے آئے اور میں نے بھائی کے لئے دعا کی درخواست کر دی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ خواہش اس رنگ میں پوری فرما دی۔ ایک دن مرحوم نے سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کا تبرک کھانے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ حضور کا پس خوردہ کھا کر دیر تک حمدِ الٰہی میں مصروف رہے۔

منکسر المزاج تو پہلے ہی تھے آخری علالت میں انکسار میں اور بھی بڑھ گئے۔ ایک روز سجدہ میں پڑے رو رہے تھے۔ سجدہ سے اُٹھے اور مجھے کہا کہ فوت ہونے پر میری قبر پر لکھ دینا "خس کم جہاں پاک"۔

انہی دنوں "الفضل" میں اخویم مبشر احمد صاحب کی ایک نظم شائع ہوئی جسے

پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور انہیں اپنے ذیل کے اشعار سُنائے ؎

آؤ مِل جُل بیٹھ کے گائیں نغموں کی برسات کریں

ساغرِ وصل کا دَور چلائیں میخانے کی بات کریں

واعظ و مُلّا سے نت لڑنا درویشوں کا کام نہیں

پیرِ مُغاں سے ربط بڑھائیں دَیر میں جا کے رات کریں

یہ بھی غنیمت ہے کہ سرِ راہ دید کبھی ہو جاتی ہے

رُوٹھ کے جانے والوں سے کیا شکوۂ مافات کریں

جس رنگ داتا تُس رنگ بھکیا تھوڑا کیا مانگیں

کاسۂ کن کو ہاتھ میں لے کر ان سے طلب خیرات کریں

مرحوم آخری ایام میں مقدس اہل بیت حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سلسلۂ حقہ اور اپنے عزیز و اقارب کے لئے نہایت سوز و اضطراب سے اور بکثرت دعائیں کرتے اور دیر دیر تک سربسجود ہو کر گریہ و زاری کرتے رہتے۔ نڈھال ہو جاتے تو بس کر دیتے۔ اس وقت چہرہ سے یوں معلوم ہوتا گویا آپ نور کے چشمے سے غوطہ لگا کر نکلے ہیں۔

انہی دنوں ایک روز مرحوم نے بار بار کہا کہ شہتیر کے ٹوٹنے کی آواز آتی ہے لیکن اُسے بغور دیکھنے سے اس میں شکستگی کے کوئی آثار نظر نہ آئے لیکن عجیب توارد ہوا کہ آپ کے والد ماجد نے بھی فرمایا کہ شہتیر کے ٹوٹنے کی آواز آتی ہے۔ بعد کو سمجھ آیا کہ یہ مرحوم کی وفات کی طرف اشارہ تھا۔

مولوی مبشر احمد صاحب راجیکی بیان کرتے ہیں کہ بھائی مرحوم کی علالت کے پیشِ نظر میں نے رخصت لی تھی جو ۱۱ر فروری کو ختم ہوتی تھی۔ بھائی نے کہا کہ پندرہ دن مزید رخصت لے لو لیکن دفتر سے بعض مجبوریوں کے باعث رخصت نہ ملی۔ مرحوم بار بار اصرار ہی کرتے رہے لیکن میں واپس مانسہرہ چلا گیا۔ میں پندرھویں دن ۲۶ر فروری (۱۹۵۹ء) کو موسمِ بہار میں وفات پا کر تمام آلام و اسقام سے دائمی نجات پا گئے اور وہ بات پوری ہوئی جو ان ایام میں آپ اکثر کہتے تھے کہ موسمِ بہار میں مجھے کلی صحت ہو جائے گی

انہی ایام میں آپ کی والدہ ماجدہ کو بڑے زور سے آواز آئی کہ "قاضی رشید کا بیٹا فوت ہو گیا ہے" (اور اس میں کیا شک ہے کہ حضرت مولانا راجیکی صاحب صاحبِ رُشد ہونے کے علاوہ سلسلہ کی طرف سے قاضی بھی رہ چکے ہیں) اور اخویم مولوی برکات احمد صاحب نے خواب میں دیکھا کہ آپ کا ایک دانت ٹوٹ گیا ہے۔ اور مرحوم کی وفات سے پہلی رات کو اُنہیں آواز آئی "اچھا اب چلتے ہیں" اور اخویم مبشر احمد صاحب نے بھی خواب میں ایک جنازہ دیکھا۔

وفات مکرم مولوی مبشر احمد صاحب راجیکی بیان کرتے ہیں کہ ۲۶ر فروری ۱۹۵۹ کی صبح کو دوائی گرنے سے مرحوم بھائی کے کپڑے خراب ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے والد صاحب کے کپڑے پہن لئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ پر سکراتِ موت کی کیفیت طاری ہو گئی۔ حضرت والد صاحب نے سورۃ یٰسین سنائی اور نفل پڑھ کر دعا کی۔ تقریباً دو بجے بعد دوپہر آپ

عالمِ بقا کو سدھائے - اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن -

مرحوم کے بھائی عزیز احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ بھائی مصلح الدین صاحب وفات کے وقت اور اس سے پہلے بڑی مطمئن حالت میں تھے - اُن کو اور ہم سب کو دعاؤں اور صدقات کی خوب توفیق ملی - چند روز قبل دعا کرتے وقت والد صاحب نے دیکھا کہ بھائی صاحب بہت تندرست ہیں اور اُن کا چہرہ سورج کی طرح روشن ہے - چھوٹی ہمشیرہ نے بھائی کی وفات سے قبل کی رات دیکھا کہ ایک شہر ہے جس کے بازار اور گلیاں بہت لمبی ہیں - مرحوم بھائی اس میں تیز تیز جا رہے ہیں اور نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں -

وفات سے قبل بھائی نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت مرزا عزیز احمد صاحب کے تبرک کھائے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہے - آپ کی وفات کا والدین، بہن بھائیوں کسی کو غم نہیں بلکہ اعلیٰ انجام کی خوشی ہے اور اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں - وصیت کا حساب صاف تھا - صندوق بھی تیار مل گیا - گیارہ یا بارہ صفیں جنازہ کی نمازیں تھیں - ہزارہا احباب نے جنازہ پڑھا - وفات کے وقت آپ کو کوئی تکلیف نہ تھی - کمزوری آہستہ آہستہ بڑھتی گئی اور آخر موت کا سبب بن گئی -

جنازے کا منظر

مکرم قریشی سمیع اللہ صاحب ایم - اے مکرم مولوی بشیر احمد صاحب راجیکی کو خط میں تحریر فرماتے ہیں :-

"مجھے خیال آیا کہ مولوی مصلح الدین صاحب کی خیریت ہی پوچھ آؤں -

اور اس کے چند ہی منٹ بعد میرے ایک عزیز نے اطلاع دی کہ مولوی صاحب وفات پا گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ خبر سنتے ہی بھاگا بھاگا آپ کے مکان پر پہنچا تو جنازہ اٹھایا جا چکا تھا۔ مسجد مبارک کے باہر ایک چارپائی پر ان کا تابوت رکھا گیا۔ رونمائی ہوئی تو دل قدرتی طور پر بھر آیا۔ مصلح میٹھی نیند سو رہے تھے۔ ان کے سارے دکھ ختم ہو چکے تھے اور اب ان کے چہرے پر ایک ابدی سکون طاری تھا۔ آپ کے والد ماجد اور جماعت کے لاکھوں افراد کے واجب الاحترام بزرگ اکیلے خاموش مسجد کے اندر ان کھڑکیوں کے پاس تشریف فرما تھے جہاں سے تابوت نظر آ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ لوگ ان کے گرد اکٹھے ہوتے گئے تو انہوں نے عام دنیوی روش سے ہٹ کر لوگوں کو وعظ و نصیحت کا وجد آفریں درس شروع کر دیا۔ اس وقت وہ صبر و رضا کا ایک پہاڑ نظر آ رہے تھے۔ وہ واقعی ایک عظیم انسان ہیں، بہت عظیم، اپنے جوان بیٹے کی موت پر بھی وہ جزع فزع کے بجائے دعائی برکات، گناہوں کی بخشش کا فلسفہ اور درود و استغفار کے فضائل بیان فرما رہے تھے۔ البتہ آپ کی نظر کبھی کبھی اپنے بیٹے کے تابوت کی طرف ضرور اٹھ جاتی رہی اور اس وقت وہ یہی کہتے تھے ؎

بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

مغرب کی نماز کے بعد مولانا شمس صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ گیارہ لمبی صفیں جنازہ پڑھنے والوں کی تھیں۔ بوڑھا باپ اپنے جوان بیٹے کے تابوت کو کندھا دیتے ہوئے ایک شیر کی طرح جنازے کے آگے آگے چل کر بہشتی مقبرہ

تک آیا۔ ایک دفعہ پھر لوگوں کو دیدار کا موقع دیا گیا۔ تابوت کے قبر میں اُتارے جانے تک حضرت مولوی صاحب قبر کی پائنتی کی طرف اپنے عصا کے سہارے کھڑے رہے۔ جب قبر کی چھت پر آخری اینٹ بھی چُن دی گئی تو آپ سے کھڑا نہ رہا جاسکا اور منڈیر پر بیٹھ گئے۔ عشاء کی اذان کے ساتھ ہی قبر پر مٹی ڈال دی گئی اور محزون قلوب کے ساتھ سارے لوگ ایک ایسے دماغ کو منوں مٹی کے نیچے دبا کر اپنے گھروں کو لوٹ گئے جس کے ساتھ نہ معلوم کتنے درد بھرے قیمتی اشعار بھی دفن ہو گئے۔

اللہ میاں مصلح صاحب کی قبر پر اپنے انوار کی بارش کرے اور آپ کو اور حضرت مولوی صاحب کو اور خاندان کے دوسرے افراد کو یہ جانکاہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق دے اور آپ سب کا حامی و ناصر ہو۔ خدا تعالیٰ حضرت مصلح صاحب کے اکلوتے بچے کو بھی اعلیٰ سے اعلیٰ دینی و دنیوی ترقیوں کا وارث بنائے۔ آمین

الفضل میں ذکر

"مولوی مصلح الدین صاحب راجیکی وفات پا گئے"

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

بعنوانِ بالا مؤقر الفضل رقمطراز ہے:۔

"ربوہ ۲۷ فروری۔ یہ خبر جماعت میں رنج و افسوس کیساتھ سُنی جائے گی کہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی کے صاحبزادے مولوی مصلح الدین احمد صاحب راجیکی کل مورخہ ۲۶ فروری بروز جمعرات طویل علالت کے بعد دو بجے بعد

نماز ظہر چوالیس* سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

مرحوم گزشتہ چار ماہ سے خرابی جگر کے عارضہ میں مبتلاء تھے۔ کل نماز مغرب کے بعد قائم مقام امیر مقامی مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمس نے نماز جنازہ پڑھائی جس میں اہل ربوہ ہزاروں کی تعداد میں شریک ہوئے۔ مرحوم موصی تھے چنانچہ بعد کو حسب وصیت انہیں بہشتی مقبرہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ احباب دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند کرے نیز پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا کرتے ہوئے دین و دنیا میں ہر طرح ان کا حامی و ناصر ہو۔ آمین " (۲۸ ۲/۵۹)

مکتوبات گرامی

ذیل میں بعض تعزیتی مکتوب درج کئے جاتے ہیں:۔

(۱) از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب دام عزہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

مکرمی و محترمی حضرت مولوی راجیکی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عزیزم مصلح الدین صاحب کی وفات کی خبر سُن کر بے حد صدمہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ

---

* چوالیس سال سہو ہے۔ سینتالیس سال عمر تھی۔ (مؤلف)

وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن - اللہ تعالیٰ اُن کو غریق رحمت کرے اور مرحوم کی والدہ اور بہن بھائیوں اور آپ کو صبرِ جمیل پر قائم رکھے اور حافظ و ناصر ہو۔ والدہ کے لئے یہ ایک بہت بھاری صدمہ ہے۔ لیکن سچے مومنوں کے لئے صحیح مقام یہی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک شعر میں فرمایا ہے جو قرآنی ارشاد انّا للہ و انّا الیہ راجعون کا صحیح ترجمہ ہے کہ ؎

بُلانے والا ہے سب سے پیارا
اُسی پہ اے دل تُو جاں فدا کر

آپ میری طرف سے اپنے اہلِ خانہ سے دلی ہمدردی کا اظہار فرمادیں۔ میں مرحوم مصلح الدین کی مغفرت اور درجات کی بلندی اور آپ سب کے لئے مقامِ صبر و رضا کی دُعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی باقی اولاد کو اپنے فضل و رحمت کے سایہ میں رکھے اور دین و دنیا میں حافظ و ناصر ہو۔

خاکسار - مرزا بشیر احمد از لاہور

عزیزم مکرم مولوی برکات احمد صاحب راجیکی - قادیان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں چند دن سے پھر علاج کے تعلق میں آخری چیکنگ کے لئے لاہور آیا ہوں یہاں آکر ربوہ سے یہ اندوہناک خبر موصول ہوئی کہ آپ کے بھائی مولوی مصلح الدین صاحب وفات پاگئے ہیں۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔ اس خبر سے بے حد صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت کرے اور آپ سب کا حافظ و ناصر ہو اور صبر و رضا کے مقام پر قائم رکھے۔ میری طرف سے دلی ہمدردی قبول

کریں۔ فقط والسلام۔ مرزا بشیر احمد از لاہور ۲۸ ۲/۵۹

مکرم مولوی برکات احمد صاحب کے نام مکتوب مورخہ ۳/۵۹ ا میں رقم فرمایا:۔

"مولوی مصلح الدین صاحب کی وفات کا معلوم کرکے بہت صدمہ ہوا۔ حضرت مولوی راجیکی صاحب کے لئے اس عمر میں یہ بھاری صدمہ ہے اور آپ کے جملہ خاندان کے لئے بھی یہ بھاری صدمہ ہے۔ دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریقِ رحمت کرے اور اُن کے درجات بلند کرے اور آپ سب کا دین و دنیا میں حافظ و ناصر ہو۔"

اور مکتوب ۳/۵۹ ۵ میں تحریر فرمایا:۔

"عزیز مصلح الدین صاحب کی وفات کا بے حد صدمہ ہوا۔ میں لاہور میں تھا۔ اسی وقت حضرت مولوی صاحب کو ہمدردی کا تار دیا۔ مولوی صاحب متوکل بزرگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے والدین کے دل کو قرار دے اور مرحوم کو غریقِ رحمت کرے۔"

(۲) حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ دام عزہا

برادرم مکرم مولوی صاحب سلمکم اللہ تعالےٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

الفضل سے عزیزی مصلح الدین مرحوم کی خبر معلوم ہو کر دلی رنج ہوا۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کو مقامِ اعلیٰ میں اپنا قرب اور اپنی رحمت کا سایہ عطا فرمائے اور آپ کو صبرِ جمیل اور اجرِ عظیم سے نوازے۔ صدمہ جُدائی کا خواہ عارضی ہو اور خصوصاً بڑھاپے میں والدین کے لئے ایک قدرتی صدمہ ہے جس سے مفر نہیں۔ مگر آپ

خود ایک بزرگ دیندار آدمی ہیں آپ کو اس کے متعلق لکھنا فضول ہے ؎

بُلانے والا ہے سب سے پیارا اُسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

آجکل آنکھیں درد کر رہی ہیں۔ سرخی سی پیدا ہو رہی ہے۔ زیادہ لکھنے سے معذور ہوں۔ دُعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔ مبارکہ

۵ر مارچ ۱۹۵۹ء۔

(۳) از حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ دام عزہا

مکرم و محترم حضرت مولانا راجیکی صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم

پرسوں کے الفضل میں حضرت بھائی صاحب (حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی) کا نوٹ آپ کی صحت کے بارے میں پڑھ کر بے حد تشویش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عاجلہ عطا فرمائے۔ اب تو چند گنتی کے دانے باقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مبارک زندگیوں کو لمبا کر کے جماعت کو زیادہ سے زیادہ مستفیض ہونے کا موقع عطا فرمائے۔ آمین۔ مَیں پیشتر بھی آپ کے صاحبزادہ مرحوم کی وفات پر خط لکھنے کو تھی مگر سوچتی تھی کہ آپ جیسے انسان کو اس موقع پر کیا لکھنا چاہیئے۔ بس یہی حجاب رہا۔ تار دیدیا تھا اور میاں سے خط لکھوا دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات کو بلند سے بلند تر کرتا چلا جائے اور اولاد کا خود ہی حافظ و ناصر ہو۔ ہم سب کو رمضان شریف کے بابرکت ایام میں یاد رکھیں۔

عزیزہ قدسیہ کی تاحال کراچی پہنچنے کی اطلاع نہیں ملی۔ جس سے

گھبراہٹ ہے۔ میاں بھی سلام عرض کرتے ہیں۔ فقط

خاکسارہ۔ امۃ الحفیظ

۵۹-۳-۱۹

(۴) حضرت مرزا عزیز احمد صاحب ایم۔ اے سلمہ اللہ تعالیٰ مکرم مولوی برکات احمد صاحب راجیکی کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"آپ کے برادر عزیز مصلح الدین صاحب وفات پاگئے۔ بہت افسوس ہوا۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور آپ کو اور دیگر لواحقین کو صبر عطا فرمائے۔ آمین"

(۵) محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب آپ کو لکھتے ہیں:۔

"آپ کے بڑے بھائی مصلح الدین صاحب راجیکی آج وفات پاگئے۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس نصیب کرے۔ میں نے آپکو تعزیت کا تار بھی دیا ہے۔ حضرت مولانا راجیکی صاحب اور آپ کی والدہ محترمہ کو ضعیف العمری میں یہ صدمہ برداشت کرنا پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

آپ کو اس وجہ سے بھی شدید صدمہ پہنچا ہے کہ اپنے بھائی کے پاس آخری وقت بھی بوجہ مجبوری پہنچ نہ سکے۔ خدا تعالیٰ بڑا وفا کرنے والا اور ارحم الراحمین ہے۔ وہ انشاء اللہ اپنے

خاص فضل سے آپ کو صبر جمیل نصیب کرے گا اور اس قربانی کو قبول فرماتے ہوئے انشاء اللہ افضال و برکات آپ پر نازل کرے گا۔ برادرم! صدمہ یقیناً شدید ہے لیکن رضاء الٰہی بہرحال مقدم ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامل صحت دے اور صبر جمیل عطا فرمائے اور ہمیشہ آپ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے اور آپ کے غمزدہ اور محزون قلب پر اپنی رحمت کا پھایا رکھے۔"

احباب کے تاثرات

بہت سے احباب نے تعزیتی خطوط میں[1] اپنے اپنے رنگ میں مرحوم کی بعض خوبیوں کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ بعض اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ محترم مولوی عبدالرحمٰن صاحب امیر جماعت قادیان:۔

"بہت علم دوست اور منکسر مزاج نوجوان تھے۔ طالب علمی

---

[1] بیسیوں تعزیتی خطوط موصول ہوئے۔ ان میں سے بعض کے اسماء یہاں درج کئے جاتے ہیں:۔

چودھری مشتاق احمد صاحب باجوہ (وکیل الزراعۃ) ربوہ ۔ میاں عبدالحفیظ صاحب بی۔ اے لاہور۔ چودھری محمد اکرام اللہ صاحب (صدر جماعت ملتان چھاؤنی) السید فضل الرحمٰن صاحب امیر صوبائی الڑلیسہ۔ ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کپور تھلوی مہاجر پشاور۔ مولوی عبدالواحد صاحب آسنور (سابق امیر صوبائی کشمیر) منشی عبدالحفیظ صاحب کرہل سیٹھ محمد ابراہیم صاحب تاجر

کے زمانہ سے لے کر تقسیمِ ملک تک ان کا مجھ سے خاص تعلق رہا۔"

۲۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب (ناظر امور خارجیہ) ربوہ:۔

"عزیز بھائی ․․․․ نیک سیرت اور فرشتہ خصلت تھے۔"

۳۔ حضرت قاضی محمد یوسف صاحب فاروقی امیر جماعت ہائے پشاور ڈویژن مردان:۔

"اس عزیز نے ساری زندگی زاہدانہ گزاری۔ اکثر کوئی نہ کوئی بیماری لگی رہی۔ ہمارے تمام احباب مردان اور پشاور اس صدمہ اور غم میں آپ سے ہمدردی رکھتے ہیں۔"

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶

(صدر جماعت) کانپور۔ بابو محمد یوسف صاحب (صوبائی امیر) جموں۔ حکیم عبداللطیف صاحب شاہد لاہور۔ سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدر آباد دکن۔ قاضی محمد ظہیر الدین صاحب علی پور کھیڑہ (یوپی)۔ سید غلام مہدی صاحب ناصر مبلغ (اڑیسہ)۔ سید محمد موسیٰ صاحب (مبلغ بہار)۔ چودھری عبدالحمید صاحب کبیر گنج (یوپی)۔ عبدالمجید صاحب امیر جماعت جمشید پور۔ نذیر احمد صاحب ڈار سپرنٹنڈنٹ پولیس (مشرقی افریقہ) اور ڈاکٹر بشیر احمد صاحب ڈار (مشرقی افریقہ) وغیرہم

مرحوم کے تمام اعزہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ جس نے احمدیت کی برکت سے فاصبحتم بنعمتہ اخوانا کا نظارہ دکھایا۔ اور ان تمام احباب کے بھی شکر گزار ہیں۔

۴۔ مکرم میاں شمس الدین صاحب امیرِ جماعت پشاور:۔

"مرحوم نے ہمارے ساتھ کافی وقت گزارا تھا اور اس وجہ سے ہم سب کو اُن کے ساتھ بہت محبت تھی۔ اُن کی خاموش طبیعت اور اعلیٰ اخلاق ہر وقت سامنے رہتے ہیں۔ انشاء اللہ جنازہ غائب ہر دو مساجد میں پڑھا جائے گا۔"

۵۔ محترم سید لال شاہ صاحب امیرِ جماعت آنبہ:۔

"ایسے نیک خصلت، صوفی مزاج نوجوان کا انتقال ایک قومی صدمہ ہے۔"

۶۔ مکرم مولانا چراغ دین صاحب مربّی۔ پشاور:۔

"مصلح الدین نہایت اچھا دوست، مہربان بھائی اور مخلص اور نیک اور عبادت گزار اور دوسروں کی ہمدردی کرنے والا احمدی تھا۔"

۷۔ جناب شیخ بشیر احمد صاحب لاہور (جج ہائی کورٹ مغربی پاکستان)

"عزیز مرحوم مصلح الدین کے پنجابی اشعار مصباح میں پڑھے تو بے اختیار رو دیا۔ واقفِ حال ان اشعار کے نیچے ان کے ہموم و غموم کی اس کیفیت کو دیکھتا ہے جو گو مشکل وگرنہ گو مشکل کے الفاظ میں بیان ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جوارِ رحمت میں جگہ دے"

۸۔ محترم قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل سابق ایڈیٹر الفضل، ریویو آف ریلیجنز وغیرہ ربوہ:۔

"عزیز محترم ۔۔۔۔ کے اشعار جو دلسوز اور دلگداز اور بلحاظ

فصاحت و بلاغت نہایت اعلیٰ درجہ کے ہوتے، پڑھ کر بہت متاثر ہوتا ہے"

۹۔ مکرم لالہ عبدالرحمٰن صاحب فاضل مردان :-

"مرحوم میرا دیرینہ رفیق، ہمدرد اور غمگسار تھا۔ اور اپنی جواں عمری اور شباب کے عالم میں زہد و اتقاء کا مجسمہ تھا۔ وہ ہر وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہنے والا تھا۔ وہ مدت سے بیمار تھا لیکن اپنے بے پناہ عزم و استقلال سے بیماری کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھا اور کبھی اپنی زبان پر شکوہ نہ لایا تھا۔ میں اس کی محبت کو تازیست نہیں بھلا سکتا۔ وہ صحیح معنوں میں میرا محسن تھا۔ آج وہ داغِ مفارقت دے گیا اور میں اُس کی دعاؤں اور تسلی بخش باتوں سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گیا"

۱۰۔ مکرم حکیم محمد صدیق صاحب۔ میانی :-

"مولوی مصلح الدین صاحب کی وفات کا علم ہوا جسے پڑھکر جگر پاش پاش ہو گیا اور ہوش جاتے رہے۔ حضرت مولوی صاحب! اس نوجوان کی نیک سیرت اور سادہ مزاجی یاد کر کے میں تلملا رہا ہوں تو رضاء الدین کی غم سے کیا حالت ہو گی"

۱۱۔ جناب میاں محمد شفیع صاحب ایڈیٹر "اقدام" لاہور :-

"میں عموماً الفضل پڑھتا ہوں۔ اس کی ایک اشاعت میں آپ کے صاحبزادہ کی وفات کی خبر پڑھی۔ اور آپ کا اِس

دردناک واقعہ پر ردِ عمل بھی واضح ہوا۔ میں ایک خاطی اور گنہگار مسلمان کی حیثیت میں آپ سے اس المناک حادثہ میں اظہارِ تعزیت کرتا ہوں اور آپ کو ایک لحاظ سے مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ آپ کی جمعیتِ قلب میں کوئی فرق نہیں آیا۔ واقعی یہ ایک بہت بلند مقام ہے۔"

۱۲۔ مکرم خواجہ عبد العزیز صاحب ڈار سکنہ آستور۔ کشمیر:۔

"ایک مردِ مجاہد جو بڑی کوششوں سے تمام ہتھیاروں سے لیس کیا گیا تھا اور اسلام کا ایک شیدائی تھا ہم سے جدا ہو گیا۔ میں ان کا حالاتِ زمانہ سے مقابلہ کر کے عموماً کہا کرتا تھا کہ فرشتہ آسمان سے اتر آیا ہے۔"

۱۳۔ مکرم مولوی عبد القادر صاحب ضیغم مجاہد امریکہ:۔

"دوستوں سے ان کے اعلیٰ اخلاق اور اخلاص کا پتہ لگتا رہتا تھا۔ ان کی وفات آپ کے خاندان کے لئے ہی نہیں بلکہ جماعت کے لئے بھی نقصان کا موجب ہے۔ مرحوم کی نظموں سے نوجوانوں کے دلوں میں خدمتِ احمدیت کا شوق بڑھتا تھا۔"

۱۴۔ مکرم راجہ غلام رسول صاحب کھاریاں:۔

"وہ ہم سب پر بہت مہربان تھے۔ دوستوں کے ساتھ ان کی ہر دلعزیزی کا یہ عالم تھا کہ ہر ایک یہی سمجھتا کہ مجھ پر زیادہ مہربان ہیں۔ ایسے ہیرے کہاں ملیں گے۔ صبر کے سوا کوئی چارہ

نہیں۔ ہمارے دوستوں کی محفل کے روح رواں تھے۔ اب اُنکے بغیر کوئی لطف نہ ہوگا ؎

ویراں ہے میکدہ خم و ساغر اُداس ہیں
تم کیا گئے کہ رُوٹھ گئے دن بہار کے

۱۵۔ مکرم صاحبزادہ ہبۃ اللہ صاحب سرائے نورنگ (نبیرہ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید افغانستان) :۔

"محترم مولوی صاحب کی وفات سے میری آنکھیں خون کے آنسو رو رہی ہیں۔ لیکن انسان کچھ نہیں کر سکتا۔ ایسے مہربان دوست کی وفات سے میری کمر ٹوٹ گئی ہے"۔

۱۶۔ محترم چوہدری محمد اسداللہ خان صاحب امیر جماعت لاہور :۔

"برادرم مصلح الدین صاحب کی جوانا مرگ کا پڑھ کر بے حد صدمہ ہوا۔ اِنّا لِلّٰہ و اِنّا اِلیہ راجعون۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ برادرم مرحوم و مغفور کو جنّت میں نہایت اعلیٰ مقام عطا فرمائے"۔

۱۷۔ الحاج مولوی محمد سلیم صاحب (سابق مجاہد بلادِ اسلامیہ) مقیم کلکتہ :۔

"کل بدر کا پرچہ آیا اور یہ خبر دحشت اثر لایا کہ مکرم مولوی مصلح الدین صاحب داغِ مفارقت دے گئے۔ اِنّا لِلّٰہ و اِنّا اِلیہ راجعون۔ چونکہ مجھے مرحوم سے ذاتی طور پر واقفیت تھی اس لئے مَیں نے اِس سانحہ کو سختی سے محسوس کیا۔ واقعی آپ

کے لئے یہ ناگہانی صدمہ بڑا ہی صبر آزما اور جگر خراش ہے۔ مگر مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ سچ ہے ؎

"تری دُنیا میں مَیں محکوم و مجبور
مری دنیا میں تیری بادشاہی"

۱۸۔ محترم راجہ محمد سردار خاں صاحب۔ کراچی :-

"عزیزم مصلح الدین کی وفات کی خبر مجھے آج دفتر میں ملی۔ کیا کہوں کہ دل پر کیا گزر رہی ہے اور اس خیال سے غم و الم میں کس قدر اضافہ ہو جاتا ہے کہ حضرت ماموں جان اور خالہ جان پر ربوہ میں اور تم پر قادیان میں کیا گزر رہی ہو گی۔ زندگی پر اعتماد کیسے تھا مگر یہ بھی کیا خبر تھی کہ مرہم کے انتظار میں ہمارے مجروح دلوں کو اس نئے تیر سے سابقہ ہو گا۔ مگر ان کے بھید وہی جانتے ہیں۔ تم بھی رو لو میں بھی رو رہا ہوں۔ قدرت کے منشاء کی یہی اطاعت ہے۔ ہاں لب پر حرفِ شکایت گناہ ہو گا۔ میری دلی دُعا ہے کہ خداوند میرے بھائی کو جنت کے اعلیٰ مقامات میں ابدی صبر و قرار دیں اور ہم پسماندگان کو راضی برضا رہنے کی توفیق۔ آمین ثم آمین !"

۱۹۔ محترم چوہدری عزیز احمد صاحب بی۔ اے نائب ناظر بیت المال ربوہ :-

"ابھی ابھی قبرستان سے واپس آیا ہوں اور آپ کی خدمت میں یہ جانکاہ خبر لکھنے بیٹھا ہوں کہ برادرم مولوی مصلح الدین

صاحب آج ۲½ بجے بعد دوپہر وفات پا گئے ..... آج مغرب کے بعد جب نماز جنازہ ہوئی تو سب احباب اس بات کا ذکر کر رہے تھے کہ مرحوم مصلح الدین کی رُوح کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر رحم کے ساتھ نوازا ہے کہ ان کے جنازہ کے لئے تقریباً جمعہ کے برابر لوگ اکٹھے ہو گئے ہیں۔ آج شام بعد نماز مغرب حضرت اقدس کو بشیر آباد اسٹیٹ میں کار کے حادثہ کی وجہ سے جو چوٹیں آئی تھیں اس کی وجہ سے اجتماعی دعا تھی۔ بعد دُعا برادرم مرحوم کی نماز جنازہ ہوئی۔ حضرت مولوی صاحب کے صبر کا مقام دیکھ کر آج مَیں حیرت میں ڈوب گیا ہوں۔ دراصل ان کے رُوحانی علوِّ مرتبت کا یہ طبعی تقاضا تھا۔"

۲۰- محترم محمد صاحب (پرنسپل) امیر جماعت احمدیہ مدراس:-

"ایسی نما قابل ہستی ہم لوگوں سے اُٹھ گئی۔"

۲۱- محترم چوہدری ظہور احمد صاحب آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ ربوہ:-

"مرحوم حقیقی معنوں میں بہت ہی خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ درویشی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔"

۲۲- محترم مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب فاضل۔ ربوہ

"بے شک یہ طبعی بات ہے کہ عزیز کی موت کا صدمہ ہوتا ہے لیکن آپ کے والدین نے موت کے صدمہ کو نہایت رضا سے برداشت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کو مقدم کیا ہے۔ جو کوئی

افسوس کے لئے آتا ہے تو حضرت مولوی صاحب اس کو تسلی دیتے ہیں اور خدا کے فضل سے پورے طور پر مطمئن اور خوش و خرم ہیں"۔

۲۳۔ محترم میاں عباس احمد خاں صاحب (خلف حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحبؓ):۔

"آپ کے بھائی مصلح الدین صاحب کی وفات سے ہر اُس شخص کو صدمہ ہوا ہے جس کا آپ سے یا حضرت مولوی صاحب سے کوئی تعلق ہے۔ بہرحال ایک مومن کے لئے خدا تعالیٰ کی مرضی میں ہی عین راحت ہے۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا اب سوائے صبر کے اور کیا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات جنت میں بلند کرے"۔

۲۴۔ محترم ملک برکت اللہ صاحب بی۔ اے ایل ایل۔ بی منٹگمری:۔

"آپ کے برادر محترم کے انتقال کی خبر سے بہت صدمہ ہوا۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔ حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اظہارِ تعزیت کرنے لگا تو آپ نے شکریہ ادا کرنے کے بعد اپنی تسکین بخش تقریر جاری رکھی۔ بعدہ حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری نے بتلایا کہ کوئی صاحب حضرت مولوی صاحب کے سامنے اظہارِ تعزیت کر رہے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ اگر کسی کا بچہ اپنی پھوپھی یا ماموں وغیرہ کے ہاں جائے تو انسان خوشی محسوس کرتا ہے کہ اس کا بچہ فلاں عزیز کے پاس گیا ہے لیکن تعجب ہے اللہ تعالیٰ جو سب پیاروں سے بڑھ کر پیارا ہے اس کے پاس اگر کوئی انسان

چلا جائے تو اس پر افسوس کیا جائے۔ حضرت مولوی صاحب کی اس بات میں حقیقی ایمان اور تعلق باللہ کا ایک عجیب مظاہرہ ہے۔ خدا کرے کہ ہماری عاقبت بھی محمود ہو۔ آمین۔"

۲۵۔ مکرم شیخ محمد ابراہیم صاحب عرفانی دفتر اخبار سالار کراچی:۔

"مرنے والے برادر کی خوبیاں تو بہت بیان ہوں گی میں صرف اس قدر جانتا ہوں کہ وہ فنافی الدین تھے۔"

۲۶۔ مکرم چوہدری محمد صادق صاحب تنگلی سابق کارکن دفتر پرائیویٹ سیکرٹری۔ حال کراچی:۔

"بزرگوارم مولوی مصلح الدین صاحب کی وفات کی خبر سُن کر بہت قلق ہوا۔ گو ذاتی پریشانیوں اور محرومیوں نے انہیں نہایت درجہ نڈھال کر رکھا تھا۔ مگر یہ انہی کا دل گردہ تھا کہ انہوں نے ہمت کو کبھی ہاتھ سے نہ دیا۔ اور زندہ دلی اور ملنساری کو ہمیشہ اپنائے رکھا۔ میں نے ایک عرصہ تک نہایت قریب سے انہیں دیکھا اور مجھے فخر ہے کہ ان جیسی شخصیت کے ساتھ رہنے کا مجھے کافی موقع ملا۔ ہر بار جو اُن سے ملا ان کی شخصیت نے پہلے سے زیادہ گہرا اثر چھوڑا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہوتے گئے۔ میری تنہائی پسندی کی وجہ سے بہت کم لوگ ایسے آئے ہیں جن سے میں زیادہ قریب ہو سکا۔ مگر آہ! ان میں سے بھی دو ہستیاں (یعنی حضرت بھائی عبدالرحیم صاحبؓ اور مولوی مصلح الدین صاحب مرحوم)

جن پر ربوہ نے ہمیشہ فخر کیا ہے یکے بعد دیگرے اٹھ گئیں۔"

۲۷۔ مکرم خواجہ عبدالکریم صاحب خالد (سابق درویش)

"مرحوم بہت ہنس مکھ، ملنسار اور ہمدرد دوست تھے۔"

۲۸۔ محترم ڈاکٹر بشیر احمد صاحب (ایم۔سی) ربوہ:۔

"مرحوم صحیح معنوں میں درویش تھے۔"

۲۹۔ مکرم عبدالحمید صاحب آصف لائل پور:۔

"ربوہ (میں) چند دوستوں کی مجلس میں مصلح الدین صاحب کا ذکر آگیا۔ سب دوستوں نے حسرت بھرے دل سے مرحوم کے اخلاق کی تعریف کی۔"

تاثرات

اخویم مرحومؓ کے متعلق بعض احباب کے تاثرات درج کئے جاتے ہیں:۔

(۱) از اخویم مولوی روشن دین صاحب فاضل مبلغ مسقط:۔

"مرحوم میرے محلہ دار اور مدرسہ احمدیہ کے ہم جماعت تھے اور کھیل کود اور نمازوں میں اکٹھے شریک ہوتے۔ آپ بچپن سے نمازوں کے پابند تھے۔ مذہبی امور سے خاص مناسبت رکھتے تھے۔ جس کا اظہار آپ کی ہر مجلس میں ہوتا تھا۔ کبھی درود شریف کی برکات کا ذکر کرکے اپنے والد ماجد کے متعلق بتاتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بہت دفعہ ہوئی ہے۔ اپنی بعض خوابیں بھی بیان کرتے۔ اسلامی مسائل کے متعلق آپ کی نظر بہت وسیع تھی۔ آپ کی زندگی سادہ تھی۔ بہت صاف گو تھے۔ پہلی دفعہ مولوی فاضل کے امتحان

میں ناکامی کے صدمہ کو مطمئن دل کے ساتھ برداشت کیا۔ غیر مبایعین کا ذکر آنے پر آپ نہایت جوش سے کہتے کہ سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کا الہام ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَکَ وَمَعَ اَھْلِکَ۔ سو جس طرف حضرت مسیح موعودؑ کے اہلبیت ہیں وہی راستی و سداد کا راستہ ہے۔

(۲) از مکرم مولوی محمد یسین صاحب (سابق کارکن نظارت ضیافت):۔

۱۹۴۸ء کے رمضان المبارک میں پشاور میں مرحوم کو میں نے دیکھا، کہ عبادت گزاری میں پیش پیش ہیں اور ان کی حالت قابلِ رشک اور نام و نمود سے بالا ہے۔ ایک باصفا اور صوفی منش آدمی تھے۔ لباس میں سادگی، جو کچھ مل گیا اسی پر قناعت رکھتے تھے۔

(۳) از مکرم عطاء اللہ صاحب بھٹی:۔

مجھے زمانہ طالب علمی سے مرحوم سے واقفیت تھی۔ اس وقت سے آپ کو نفلی روزوں اور اوراد و وظائف کا شوق تھا۔ آپ احباب کی خدمت میں لذت محسوس کرتے، غریب پرور تھے۔ جیب خرچ احباب کے تالیفِ قلب پر صرف کر دیتے اور خود عسرت میں زندگی بسر کرتے تھے۔ کوئی ساتھی کسی چیز کی تعریف کرتا تو اُسے ہی دیدیتے۔ جب ہم کھانا مل کر کھاتے تو اچھی سے اچھی چیزیں پکوا کر دوستوں کے لئے لاتے اور اچھی اچھی بوٹیاں اصرار سے دوستوں کو کھلاتے۔ مرحوم خشک زاہد نہ تھے بلکہ زندہ دلی کا جوہر بھی پایا تھا۔ بے تکلف احباب میں خوب ہنستے اور لطائف سُنا کر مجلس کو زعفران زار بنا دیتے۔ فنون تاریخ اور ادب سے آپ کو خاص لگاؤ تھا، کبھی کبھی اپنا منظوم کلام

بھی سُنایا کرتے۔ آپ کی آواز میں خاص قسم کا درد و سوز اور جذب و تاثیر
تھی۔ اپنی وفات سے چند ماہ قبل آپ نے ایک نظم سُنائی جس میں آپ نے اپنی
وفات کے بعد کے تاثرات بیان کئے۔ یہ سُن کر مجھے بہت تکلیف ہوئی اور مَیں
نے کہا کہ آپ جیسے ہمہ صفت نوجوان کو اتنی جلدی دنیا سے رخصت نہیں ہونا
چاہیئے۔ آپ ایسی نظمیں نہ لکھا کریں جس میں ہماری اور آپ کی جُدائی کا ذکر ہو۔
اس پر آپ نے تبسم کرتے ہوئے کہا "آخر ایک دن مرنا ہے"۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے مقدس خاندان سے آپ کو بہت
محبت اور عقیدت تھی اور ان کے جملہ افراد کا بہت ادب کرتے تھے کہ یہ
شعائر اللہ ہیں۔

مرحوم کو علم طب سے بھی خاص شغف تھا۔ چنانچہ بسا اوقات ہماری مجلس
کا طویل موضوع طبی نسخہ جات کے متعلق ہی ہوتا۔ آپ بہت ہی نایاب نسخے
بتاتے۔ ایک دفعہ آپ دوپہر کی سخت گرمی اور دھوپ میں میرے پاس
آئے۔ پسینے میں شرابور تھے۔ مَیں بہت فکرمند ہوا اور گھبرا کر پوچھا کہ خیریت
تو ہے؟ کہنے لگے ابھی ایک تیر بہدف نسخہ دِق اور پُرانے بخاروں کا
ملا تھا جو کہ آزمودہ ہے وہ نسخہ بتانے آیا ہوں۔ وہ نسخہ مَیں ذیل میں درج کرتا
ہوں:-

هوالشافی:- "دو سیر بکرے کی ران کا گوشت لے کر کسی گلی برتن میں
بند کر کے گل حکمت کر کے سکھا لیں اور پانچ من اُپلوں میں کُشتہ کر لیں۔ کُشتہ کی
شرط یہ ہے کہ سفید نکلے سیاہ رہے تو چنداں مفید نہیں۔ اس کُشتہ کے وزن

کا ½ حصہ قندِ سیاہ ملا کر کنارِ دشتی کے برابر گولیاں بنالیں۔ایک گولی صبح ایک شام مناسب بدرقہ کے ہمراہ دی جائے۔ انشاء اللہ دِق اور پُرانے بخار کا مرض چند دن میں اچھا ہو جائے گا"

(۴) از ڈاکٹر محمد احمد صاحب فرید آبادی۔ ربوہ

محترم مولوی مصلح الدین صاحب رضؓ میرے گہرے دوستوں میں سے تھے اور اُن کو بھی مجھ سے مخلصانہ طور پر دلی تعلق تھا۔ ۱۹۳۵ء یا ۱۹۳۶ء میں میرے ایک دوست نے مجھ سے ذکر کیا کہ میں آجکل ان سے قرآن مجید پڑھ رہا ہوں میں بھی پہنچ گیا۔ درس شروع ہوا۔ درس کیا تھا علم و عرفان کا دریا تھا۔ الفاظ کے معانی، آیات کا شانِ نزول، جملوں کی طبعی ترتیب، الفاظ کے صوتی اثرات، کلامِ الٰہی کے نفسیاتی پہلو اور اُس کی قوانینِ قدرت سے مطابقت، سابقہ مفسرین کے خیالات، حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضؓ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کے بیان فرمودہ معارف۔ غرضیکہ آپ نے کچھ ایسے جذب و تاثیر اور والہانہ انداز میں درس دیا کہ دل چاہتا تھا یہ مجلس کبھی ختم نہ ہو۔ یہ سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رہا۔ کبھی لگاتار اور کبھی وقفہ کے بعد۔ اور ہمیں بقدرِ ظرف آپ سے استفادہ کرنے کا خوب موقع ملا۔

ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے خطبہ جمعہ میں فرمایا کہ فارغ نوجوانوں کو چاہیئے کہ تبلیغ کے لئے مختلف اطراف و جوانب میں نکل جائیں تو آپ پیدل ہی بے سروسامانی کی حالت میں نکل کھڑے ہوئے

اور مختلف علاقوں میں تبلیغی فرائض ادا کرتے ہوئے سہارن پور (یوپی) جا پہنچے۔ اس سفر میں جو مشکلات اور خدا تعالیٰ کی معجزانہ تائیدات دیکھنے میں آئیں اُن کا اکثر ذکر فرمایا کرتے جس سے ہمارے ایمان تازہ ہوتے۔

ایک دفعہ آپ نے سُنایا کہ اسی سفر کے دَوران میں تیز بخار ہو گیا۔ لیکن میں نے سفر جاری رکھا۔ رات کا وقت تھا، راستہ نادیدہ تھا۔ سامنے ایک ندی آ گئی۔ کچھ معلوم نہ تھا کہ پانی کتنا گہرا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے ندی میں کود پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور میں بخیریت دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔

جب میں نے دریافت کیا کہ کیا آپ کو اس کس مپرسی کے وقت خطرات کا احساس نہ تھا۔ فرمانے لگے۔ احساس تو تھا لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی حفاظت و صیانت اور اس کی ذرہ نوازی پر پورا یقین تھا اور میں سمجھتا تھا کہ دُنیا کی کوئی طاقت یا مخالفانہ حالات مجھے گزند نہیں پہنچا سکتے۔

مرحوم نے ایک دفعہ سُنایا کہ میں غریب الوطنی میں گزر اوقات کے لئے ایک دفعہ چھ آنے فی گھنٹہ پر حیدر آباد سندھ کے ایک کارخانہ میں روئی کے تکلے صاف کرنے پر ملازم ہو گیا۔ اس وقت تین آنے صبح اور تین آنے شام روٹی کے لئے کافی تھے۔

Khuda Bakhsh Library
Acc. No. 13605 27/1/79

اس لئے ایک گھنٹہ کام کرنے کے بعد باقی وقت تبلیغ میں صرف کر دیتا۔

ایک روز میں ایک پارک میں بیٹھا تھا کہ دو نوجوان آپس میں تکرار کرتے ہوئے میرے پاس آئے اور ایک شعر کے معنے دریافت کئے۔ میں نے مناسب تشریح کے ساتھ معنے بتا دیئے۔ دونوں میری تشریح سُن کر بہت محظوظ ہوئے اور اٹھ کر سامنے کی کوٹھی میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُن میں سے ایک نوجوان دوبارہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میرے والد صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں اُٹھ کر ساتھ ہو لیا۔ صاحب خانہ نے بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا۔ اور دوبارہ اس شعر کی تشریح سُننے کی خواہش ظاہر کی۔ تقریباً ایک گھنٹہ تک یہ ادبی محفل رہی۔ صاحب خانہ بہت متاثر ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ دونوں نوجوان میرے بیٹے ہیں اور میں فلاں علاقہ کا رئیس ہوں۔ اگر آپ میرے لڑکوں کے اتالیق بننا چاہیں تو میں آپ کو آپ کے حسب منشاء زیادہ سے زیادہ تنخواہ دے سکتا ہوں۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ میں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں خدا تعالیٰ کے مسیح کا پیغام پہنچانے کے لئے نکلا ہوں۔ اس کام کی وجہ سے اپنے فرض کو نہیں چھوڑ سکتا۔

ایک دفعہ آپ سے ایک گریجویٹ لڑکی نے عربی پڑھنا شروع کی۔ چند روز کے بعد آپ نے اُسے پڑھانا چھوڑ دیا۔ میں نے

عرض کیا کہ کیا بات ہوئی ہے؟ فرمانے لگے "کل اس نے پردے کے معاملے میں سخت لاپرواہی برتی۔ میں نے فوراً جیب سے حمائل شریف نکال کر اپنی آنکھوں کے سامنے کر لی اور اٹھ کر چلا آیا۔ چنانچہ پھر کبھی اس لڑکی کو پڑھانے کے لئے نہ گئے۔

ہم ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک دوست نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا ایک شعر بے موقع پڑھ دیا۔ آپ نے اس کو ڈانٹا اور کہا کہ ؎

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی!

الغرض مرحوم محبت، ایثار، جرأت اور شفقت کے مجسمہ تھے۔ جو شخص بھی آپ کے پاس بیٹھتا اپنے دل میں آپ کی عظمت کے نہ مٹنے والے نقوش لے کر اٹھتا اور دوبارہ ملنے کی خواہش رکھتا۔ دوستوں میں سے ہر کوئی یہ خیال کرتا کہ آپ کا مجھ سے تعلق سب سے زیادہ ہے۔ آپ بہت زیادہ ایثار پیشہ تھے۔ ہمیشہ اپنی خواہشات کو دوسروں کے لئے قربان کر دیتے اور اپنی تکلیف کی کبھی پرواہ نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت کرے اور جنت میں بلند سے بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

کوسِ رحیل

بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے برادرِ مرحوم کو ترکِ وطن کرنا پڑا، یہ سفرنامہ اُسی زمانہ کی یادگار ہے۔ اس میں تصوّف بھی ہے، ادب بھی، سلیقہ بھی ہے متانت بھی، آہیں بھی ہیں آنسو بھی۔ لاریب یہ مرقع ہے ایک ایسے قلمکار کے خیالات کا جس کی زندگی ان تمام پہلوؤں پر حاوی تھی۔ نیز اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک نیک سرشت انسان کس طرح مؤاخذہ کی خارزار وادی سے ثواب اور نجات کی راہیں اپنے لیے ہموار کر سکتا ہے۔ تاہم ؎

بہوش باش کہ ہنگامِ بادِ استغناء
ہزار خرمنِ طاعت بہ نیم جو نخرند

(مبشر احمد راجیکی)

حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم :-

إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْراً بَصَّرَهُ عُيُوْبَ نَفْسِهٖ -

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

" اگر گناہ نہ ہوتا تو رعونت کا زہر انسان میں بڑھ جاتا اور وہ ہلاک ہو جاتا - تو یہ اس کی تلافی کرتی ہے ۔ کبر اور عُجب کی آفت سے گناہ انسان کو بچائے رکھتا ہے ۔"

(ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام صفحہ ۳-۴)

" اہل جذب کا درجہ سالکوں سے بڑھا ہوا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں سلوک کے درجے پر ہی نہیں رکھتا بلکہ خود اُن کو مصائب میں ڈالتا اور جاذبہ ازلی سے اپنی طرف کھینچتا ہے ...... کوئی مومن بلا آئینہ ہونے کے نجات نہ پائے گا ۔ سلوک والا خود صیقل کرتا ہے ...... لیکن جذبہ والا مصائب میں ڈالا جاتا ہے ۔ خدا خود اُس کا مصقل ہوتا ہے اور طرح طرح کے مصائب و شدائد سے صیقل کر کے اُس کو آئینہ کا درجہ عطا کر دیتا ہے ۔"

(ملفوظات حضرت اقدس علیہ السلام صفحہ ۲۷-۲۰)

کوسِ رحیل

آج دل و نظر کے تقاضوں کی وہ رنگینیاں جو قوسِ قزح کی
طرح دلآویز تھیں اُفقِ ماحول پر مدھم پڑ چکی ہیں اور توبہ کے وہ دریچے
جو اُس کی رحمتِ خاص سے وا تھے اور اُن میں سے ؎

ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

کی خوش کن صدائیں آ رہی تھیں اب میری نظروں سے اوجھل ہو چکے
ہیں۔ بہرکیف تقدیرِ خیر و شر کو اعمالِ انسانی کا نتیجہ سمجھتا ہوں اور متوقع
پریشانیوں سے گھبرانے کی بجائے اپنی بوئی ہوئی فصل کاٹنے میں مصروف
ہوں ؎

گندم از گندم بروید جَو ز جَو
از مکافاتِ عمل غافل مشو

سوچتا ہوں کہ وہ چمن جس میں خود میرے ہی اعمال برق و باراں کو
دعوتِ تخریب دے چکے ہیں۔ اب اِس میں کیسے زندگی بسر کروں گا اسلئے
یہی بہتر ہے کہ اب میں اِس وادیٔ لالہ زار پر امراء القیس کی طرح آخری

آنسو بہاؤں اور ہمیشہ کی جلاوطنی کا عزم باندھوں ؎

قفا نبک من ذکری حبیب و منزل
بسقط اللوی بین الدخول فحومل[1]

اس وادیٔ جنت نظیر کا ماحول اگرچہ میرے شفیق والدین، غمگسار بھائیوں اور بہترین دوستوں کی نوازشات سے لبریز ہے مگر ابنِ آدم کی لغزشیں اس میں رہائش کی اجازت نہیں دیتیں۔ ناچار یہاں سے لاہور جانے کا ارادہ رکھتا ہوں اور گھر والوں سے رخصت ہو کر عزیزم چوہدری عبد العزیز کے پاس بیٹھا ہوں۔ اُن کی خواہش ہے کہ مَیں چند روز کے قیام کے بعد لاہور سے واپس آجاؤں مگر میرا احساسِ ندامت اس ماحول کی سکونت سے گریزاں ہے۔ اس لئے عزیزم چوہدری سے آخری ملاقات کر کے لاہور کی طرف روانہ ہو رہا ہوں ؎

سنگ سبھا سب تج گئے کوئی نہ نبھیو ساتھ
کہہ نانک اس بپت میں ایک رہا رگھناتھ

مَیں اس وقت لاری میں بیٹھا اس بستی کی عطر بیز فضاؤں اور رنگین محفلوں کی یاد سے اپنے مشامِ جاں کو مہکا رہا ہوں۔ اب ماں باپ کی بے مثال شفقت، بھائیوں کا لاجواب حسنِ سلوک اور بعض دوستوں کی بے نظیر ہمدردی کے

---

[1] اے میرے دوستو آؤ کہ ہم اس منزل پر جو دخول اور حومل کے درمیان ریتلے ٹیلے کی ٹکڑ کے قریب واقع ہے اپنے محبوب کی یاد میں آنسو بہائیں۔

واقعات ایک ایک کر کے میرے سامنے آ رہے ہیں اور میں دمِ واپسیں کی طرح اِس بلدۂ مطہرہ کے قالبِ حسین سے پرواز کر رہا ہوں۔ راستے میں منڈی ڈھاباں سکھیکی اور شیخوپورہ کی آبادیاں دعوتِ نظارہ دیتی ہوئی گزر رہی ہیں اور میں ناوکِ کشیدہ کی طرح لاہور کے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہوں۔ اِس خلوتِ بے والی میں بس کے ٹائروں کے ساز کے ساتھ میری قسمت کا مغنی ؎

شمع ایم خواندہ ایم خطِ سرنوشتِ خویش
ما را برائے سوز و گداز آفریدہ اند

کا گیت گا رہا ہے اور میں اپنے ماضی و حال کی مصیبتوں کا جائزہ لیتے ہوئے "خود کردہ را علاج نیست" کی حقیقت کو بے نقاب دیکھ رہا ہوں۔ اب لاہور آ چکا ہے اور میں ریڈیو کے گیتوں سے عزیزم عبدالرب کی پُرخلوص محفل اور عزیزم اسماعیل خاکر کے میٹھے میٹھے ترانوں کی یاد تازہ کرتے ہوئے چوہدری عبدالواحد کمبوہ کے گھر کی طرف جا رہا ہوں۔ لاہور اگرچہ لاہور ہے مگر اس کے ہنگاموں میں وہ زندگی کہاں جس کے نہ ہونے کی حسرت دل کو تڑپا رہی ہے۔ تانگہ انارکلی سے گزر کر مزنگ کی طرف رواں دواں ہے اور عزیزم چوہدری کا گھر جو بھونڈ پورہ کی آبادی میں واقع ہے قریب آ گیا ہے۔ یہ آبادی اگرچہ لاہور کے دوسرے حصوں کی طرح خوبصورت نہیں مگر اِس لحاظ سے کہ عزیزم چوہدری عبدالواحد ایسا مہربان دوست یہاں مقیم ہے نہایت سکون بخش ہے۔

؎

احب الارض تسکنها سلیمیٰ
ولو کانت تواردثها الجدوب[1]

میری آمد پر عزیزم چوہدری کا نے جس مثالی مہمان نوازی کا ثبوت دیا ہے اس کے بیان سے الفاظ قاصر ہیں۔ میں عزیز موصوف کے یہ خصائل جو انہیں اپنے والد محترم چوہدری فضل الدین صاحب او رمیرے ورثہ میں ملے ہیں دیکھ کر حیران ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ کاش مجھے بھی اسی طرح اپنے مقدس والد کی کوئی خوبی مل جاتی مگر اس حسرت کا کیا علاج ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

میں ان خیالات کے نشیب و فراز میں سے گزرتے ہوئے تنگیٔ مکان کی وجہ سے بالاخانے کی چھت پر لیٹا ہوا ہوں آپ دوسری چارپائی پر بیٹھے ہوئے میرے حالات پوچھ رہے ہیں اور میں اپنے زخمہ و ساز سے گردشِ روزگار کا رونا رو رہا ہوں ؎

اے وائے بر اسیرے کز یاد رفتہ باشد
در دام ماندہ باشد صیاد رفتہ باشد

ستارے چونکہ منزلِ شام سے کوچ کر کے اب نیمۂ شب کی وادی میں قدم

---

[1] مجھے وہ سرزمین جہاں سلیمیٰ رہتی ہے بہت ہی محبوب ہے اگرچہ قحط نے اس کے چاروں طرف ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔

رکھ چکے ہیں اس لئے ہم اپنے اپنے بسترِ راحت پر لیٹ کر سونے کی تیاری کر رہے ہیں۔ صبح ہوتے ہی ناشتہ سے فارغ ہو کر میں اختر گوبند پوری اور بعض دوسرے دوستوں کو ملنے چلا گیا اور عزیزم چوہدری اپنے کام پر انارکلی روانہ ہو گئے۔ آج کا دن انارکلی کے کہکشاں اور مال روڈ کے چائنا ہوٹل میں گزرا مگر وہ لطفِ خاص جو اس سفر سے قبل دوستوں کی محفل میں آیا کرتا تھا میسر نہ آسکا۔

دل گلستاں تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار
یہ بیاباں کیا ہوا عالم بیاباں ہو گیا

ناچار رات پھر عزیزم چوہدری کے پاس گزاری اور صبح ہوتے ہی موضع پھلنوال جو لاہور سے تقریباً پندرہ میل کی مسافت پر دریائے راوی کے کنارے پر واقع ہے وہاں چلا گیا۔ یہ موضع میرے دوست شیخ محمد انور کمبوہ کی جائے رہائش ہے اور چونکہ یہاں شہروں کا شور و شغب نہیں اسلئے مجھے یہاں کے ورود سے وہ سکونِ خاطر اور تنہائیاں جو لاہور کے ہنگاموں میں مفقود ہو چکی تھیں پھر میسر آگئیں۔ یہاں پر چند روز کی رہائش اور مطالعۂ زندگی کے بعد آج سوچ رہا ہوں کہ آخر یہ ہنگامہ رستخیز کس کروٹ بیٹھے گا اور میں کب تک شومیٔ قسمت کے غنیم سے نبرد آزما رہوں گا۔ آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں یہ پناہ گاہیں ٹوٹیں گی اور یہ لوگ جو آج سر آنکھوں پر بٹھا رہے ہیں آشنائیوں سے ناآشنا ہو جائیں گے اس لئے یہی بہتر ہے کہ آئینۂ امروز میں فکرِ فردا کو اتار دوں اور ان پناہ گاہوں سے بے نیاز ہو جاؤں۔ میں اسی ورطۂ خیال میں ڈوبا ہوا تھا کہ ناگاہ میرے ہاتفِ دل نے مجھے پھر لاہور جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی میں پھلنوال سے لاہور

جانے والی بس پر سوار ہو گیا۔ دورانِ سفر میں حصولِ ملازمت کے لئے کئی ایک ذرائع ذہن میں آ گئے اس لئے میں نے بس سے اُترتے ہی بعض دوستوں کی خدمت میں اِس کارِ بودہ ماند کے لئے استدعا کی۔ چنانچہ اختر گوبندپوری اور اُن کے برادرِ کلاں اصغر گوبندپوری نے اِس موقع پر الدنیا بالوسائل کے تحت بہترین وسیلوں کا ثبوت دیا اور مختلف سکولوں اور کالجوں میں جا کر میری راحت کا سامان مہیا کرنے کی کوشش کی مگر افسوس کہ اُن کی موجودہ جدوجہد ہر طرف سے یہی جواب لائی کہ چونکہ اِس وقت موسمی تعطیلات کی وجہ سے تمام ادارہائے تعلیم بند ہیں اس لئے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اِس جوابِ باصواب نے امیدوں کے وہ ہوائی قلعے جو میں نے چندروز قبل تعمیر کئے تھے پیوندِ زمین ہو گئے اور میں مَن ذَا الَّذِی یَشفَعُ عِندَہٗ اِلَّا بِاِذنِہٖ کا اقرار کرتے ہوئے عالمِ سفلی سے مایوس ہو کر عالمِ علوی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اِس موقع پر عزیزم چوہدری نے اپنے سرمایہ سے عملی ہمدردی کا یقین بھی دلایا اور بعض ایسی تجارتوں کی طرف راہنمائی کی جو سرمایہ کی کمی کے باوجود بہت زیادہ نفع مند ثابت ہو سکتی تھیں مگر میرے دل نے اس خلافِ طبیعت گذران کو پسند نہ کیا ؎

ساجن سلا نہ چوگیو چاہے ہو سونے کی بال
بول رہے۔ جن جائیں گے بیموں پیلے گی کال[1]

---

[1] اے دوست بالیاں خواہ سونے کی ہوں تب بھی نہ چُن کیونکہ قحط تو وقت پر دُور ہو گا مگر لوگوں کو یہ بات یاد رہ جائے گی۔

آج یکشنبہ ہونے کی وجہ سے عزیزم چوہدری کو چھٹی ہے اس لئے اُن کا ارادہ ہے کہ آج ہم گلبرگ کالونی اور بعض دیگر اہم مقامات کی سیر کریں۔ چنانچہ ناشتہ سے فارغ ہو کر ہم سیر و سیاحت میں مصروف ہیں اور نسلِ انسانی کے تنوعاتِ ذہنی کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ لارنس گارڈن جسے آجکل باغِ جناح کے نام سے پکارا جاتا ہے اس میں مغربی تہذیب کے وہ دلدادہ نوجوان جنہیں ساحرِ مغرب تہذیبِ نَو کا برگِ حشیش پلا چکا ہے جگہ جگہ حلقہ باندھے بیٹھے ہیں۔ ان کے علاوہ یہاں بعض ایسے ہجوم بھی نظر آ رہے ہیں جن کے سُرمہ و پوڈر کی بے نقابیاں اور عطر و لونڈر میں بسی ہوئی ساڑھیاں تہذیبِ فرنگ کے سامنے احکامِ اسلامی کی شکست کا اعلان کر رہی ہیں۔ میں یہ نظارہ چشمِ حیرت سے دیکھ رہا ہوں اور آج کے مسلمانوں کا کل کے مسلمانوں سے مقابلہ کر رہا ہوں۔ معلوم نہیں حضرتِ آدمؑ کی یہ نسل ابھی کن کن ہتھیاروں سے سینۂ اسلام کو چھلنی کرے گی اور اس کے لاشۂ بے جان پر عفریتِ نصرانیت کا سٹیچو بنائے گی۔

غنی روزِ سیاہِ پیرِ کنعاں را تماشا کُن
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را

یہ مناظرِ عبرت دیکھنے کے بعد میں اور عزیزم چوہدری اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے اور شغلِ طعام و کلام سے فارغ ہو کر آنے والی صبح کے انتظار میں سو گئے۔

افسوس کہ لاہور کے موجودہ ہنگامے اُس عہدِ گزشتہ کا جواب پیدا نہیں

کر سکے اور میں باوجود اتنی گہما گہمی کے اسی تنہائی کو محسوس کر رہا ہوں جو اپنے عزیزوں سے جُدا ہونے کے بعد شاملِ حال رہی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انارکلی اور مال روڈ کی زیبائشیں خلقِ خدا کو دُور دُور سے لا کر اپنے آستانۂ حسن و جمال پر جھکاتی رہتی ہیں مگر میں ہر روز ان میں سے گزرتے ہوئے تمثانِ بھومی کے نظارے دیکھتا رہتا ہوں معلوم نہیں اس طرزِ دید میں میری آنکھوں کا قصور ہے یا اس شہر کی آرائش و زیبائش کا بہرحال میرا دل مضطرب اس گلزارِ ہست و بود کے نظارۂ جمال کی بجائے اسی جنتِ نگاہ وادی اور اس کے فردوسِ گوش ترانوں میں اُلجھا ہوا ہے جسے میرا بختِ سیاہ آج سے کئی روز پہلے خیرباد کہہ چکا ہے۔

پرسوں سے مجھے جن پریشانیوں کا خدشہ لاحق تھا آج اُس کے آثار ظاہر ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ابھی ابھی افضل خاں ترکی نے آ کر وہ خبر سنائی ہے جس کے سُننے کے لئے میری قوتِ سامعہ پہلے سے تیار ہو چکی تھی اور میں لا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظالمین کے تحت اپنی لغزشوں کا احساس کرتے ہوئے اس جنتِ ارضی سے نکلنے کے لئے رختِ سفر باندھ چکا تھا۔ عزیزم ترکی نے اس رُوح فرسا سانحہ کی شدت کو کم کرنے کے لئے اگرچہ بہت کچھ تلمیع سے کام لیا ہے مگر میرے احساسِ معصیت نے اس حقیقت کو فوراً بھانپ لیا کہ وما ظلمھم اللہ ولکن کانوا انفسھم یظلمون کے مواعید کے پورا ہونے کا وقت آ پہنچا ہے۔ چنانچہ میں نے اسی وقت ارادہ کر لیا کہ اب ایسی جگہ زندگی بسر کرنے کا سامان کروں جہاں میرے لاہور کے دوستوں کو

لا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار کا خمیازہ نہ بھگتنا پڑے ۔ چنانچہ میں لاہور سے منڈی بہاؤالدین پہنچا اور وہاں سے اپنے چچا میاں محمد سعید صاحب کے ڈیرہ پر چلا آیا ۔ یہاں کا ماحول چونکہ میرا ہم عقیدہ نہیں ہے اس لئے ان لوگوں نے کسی دوسرے امر کی جستجو کرنے کی کوشش نہیں کی اور یہ معاملہ بخیروخوبی انجام پذیر ہو گیا ۔

یہاں کے ماحول میں بڑے شہروں کی سی رونق تو نہیں البتہ ایک پیر خانہ کی حیثیت سے مریدوں کی آمدورفت کا ہنگامہ ضرور گرم رہتا ہے ۔ ان ارادت کیشوں میں سے کئی صاحب تو واقعی شغفِ عبادت اور ذکرِ ہو حق کی وجہ سے حضرت باوا فریدالدین گنج شکرؒ کے اِس شعر کی ترجمانی کر رہے ہیں ؎

فریدا ایسے ہو رہے جیسے ککھ مسیت

اُٹھے پہر لتاڑئیں اللہ نال پریت

مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے مخصوص خصائل کی وجہ سے گلدستۂ عجائبات معلوم ہوتے ہیں ۔ چنانچہ اُن میں سے ایک میاں سخی محمد صاحب کھوکھر ہیں جو چلّہ کشیوں اور کثرتِ اوراد کی وجہ سے مراق کی حد تک پہنچ چکے ہیں ۔ نماز پڑھتے ہوئے آپ کے "لحن غنودہ" اور "تکرار نیت" سے اس امر کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے ۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ کی موجودہ حالت ایسے اذکار کا نتیجہ ہے جن کی یومیہ مقدار تخمیناً پچاس پاروں کے برابر تھی ۔ آجکل آپ کی زبان اور تسبیح کی گردش سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک مشین ہے جو بجلی کی طاقت سے بغیر توقف کے چل رہی ہے ۔ آپ صحت و

عافیت کی مجبوریوں کے باوجود بہت اچھے آدمی ہیں مگر سہ

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم

گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

کے مصداق - دوسرے نمبر پہ میاں عبدالحفیظ صاحب ہیں جو حافظ شفیق احمد صاحب سجادہ نشین لاہور کے مرید ہیں اور طور و طریق کے اعتبار سے حافظ صاحب موصوف کا نقشِ ثانی - ان کے نزدیک فنا فی الشیخ کی منزل طے کرنے کے لئے محض تصوّرِ شیخ کافی نہیں بلکہ حرکاتِ شیخ کا اعادہ بھی نہایت ضروری ہے - چنانچہ ان کا انگلیوں سے داڑھی میں بار بار خلال کرنا اور مختلف قسم کی انگوٹھیاں پہننا اور جمعرات کے جمعرات قوالی کرانا اس امر کی غمّازی کرتا ہے کہ وہ انہیں باتوں کو راہِ طریقت سمجھ بیٹھے ہیں - ان کا خیال ہے کہ فیروزہ کا نگینہ انسانی مقدرات میں خاص دخل رکھتا ہے چنانچہ جب شاہ حسن صاحب نے ایک دن مذاقاً اس نگینہ کا مطالبہ کیا تو آپ نے اس کے جواب میں ایک گھنٹہ تک ایسی تقریر فرمائی کہ قسمت و قسّام کے جملہ حقوق اسی کے نام محفوظ کر دیئے - سچ ہے ما قدروا اللہ حق قدرہٖ -

ان اعزّہ کے علاوہ ایک صاحب محمدؐ صالح ہیں جنہیں عرفِ عام میں ہادی کہا جاتا ہے - یہ بزرگ کئی قسم کے پاپڑ بیلنے کے بعد اب ڈیرہ میاں صاحب میں امامت و اذکار کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں چنانچہ صبح کی نماز کے بعد آپ پشت بہ قبلہ ہو کر اپنے لحنِ خاص سے نفی اثبات

کا ذکر جہراً کرتے ہیں اور آپ کے بعد اسی لحن سے مقتدی بھی اس کا اعادہ کرتے ہیں۔ اس شغلِ حسین کے بعد آپ کبھی کبھی "سیف الملوک" کا درس بھی دیتے ہیں اور اس قند و نبات شاعری سے سامعین کو محظوظ فرماتے ہیں۔ آج کل ہمزاد کو قابو میں لانے کے لئے ایک قدِ آدم آئینہ کے سامنے بعض خاص قسم کے اذکار کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو ناکام کرے۔ محمد صالح صاحب کے گھر کے سامنے ایک مولوی صاحب کا گھر ہے۔ یہ صاحب زمانے کی موجودہ مشین کے صحیح کل پُرزے ہیں اور حکمت اور کیمیا میں دخل رکھنے کے علاوہ پاکستان اور انڈیا کے جملہ واقعات کے عینی شاہد ہیں۔ بات میں سے بات نکالنا اور اس میں داستانِ امیر حمزہ کا رنگ بھرنا آپ کا خاص کمال ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی ذاتِ والا صفات کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ ذکر کرتے کرتے ایسے حسین انداز میں خوابِ خرگوش کا پارٹ ادا کرتے ہیں کہ دیکھنے والا بیداری اور خواب میں ذرا بھی امتیاز نہیں کر سکتا۔ ان کے علاوہ ڈیرہ میاں صاحب میں عمو صاحب کا ایک پروردہ خادم میاں اللہ دتہ بھی رہتا ہے جو بذلہ سنجی اور حاضر جوابی کے علاوہ ایک ہی وقت میں رونے اور ہنسنے کا پارٹ اس خوبی سے ادا کرتا ہے کہ دیکھنے والا اس کے کمال کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ اگرچہ بوڑھا ہو چکا ہے مگر ؎

مرد چوں پیر شود حرص جواں می گردد

کے مطابق اپنے بڑھاپے کو بہلانے کے لئے کسی لعبتِ چین کا خواہشمند

ہے۔ چند روز کی بات ہے کہ موسمی بخار نے ڈیرے کے دوسرے سکان کے ساتھ اسے بھی آدبایا۔ اس وقت اس کی زبانِ فحش ترجمان سے ایسے ایسے دوہے اور ڈھولے سُننے میں آئے کہ بس رُوح کھلا ہی گئی۔ کہتے ہیں کہ جب بھی ملیریا بخار اس کی زندگی کے ریکارڈ پر اپنی شوئی رکھتا ہے تو اسے قرآن کریم کی اکثر ایسی آیات یاد آجاتی ہیں جو زیادہ تر اُخروی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔

ڈیرہ میاں صاحب میں پیرزادہ شاہ حسن صاحب نقوی سے بھی تعارف ہوا۔ آپ خلیفہ حامد حسن صاحب مرحوم سابق وزیر اعظم پٹیالہ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور بخاری سادات میں سے صحیح النسب بزرگ ہیں۔ آپ نے اختلافِ عقائد کے باوجود مجھے اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ اور پھر وطن پہنچ کر دوبارہ ارشاد فرمایا کہ میں جلد آپ کے پاس پہنچ جاؤں۔ چنانچہ آج تین ماہ کی اقامت کے بعد میرے کاروانِ زندگی نے ڈیرہ میاں صاحب سے کوچ کرنے کا عزم کیا اور شوقِ رحیل نے سیروا فی الارض کی نوبت بجائی ہے۔ حمو صاحب کی خواہش ہے کہ میں اپنے عزائم کو لاہور تک محدود رکھوں اور چند روز کے قیام کے بعد پھر اسی محور و مدار کے طواف کے لئے حاضر ہو جاؤں۔ دیکھیں مشیت و مقدر کا ہاتھ عنانِ زندگی کو کس طرف پھراتا ہے ؎

دھرا ہے ناقۂ لیلیٰ پہ محمل زنگیں
کدھر مہار اُٹھاتے ہے ساربان دیکھیں

بہر حال میں مُردہ بدستِ زندہ ہوں اور ما تسقط مِن ورقۃٍ اِلّا باذن اللہ کے فرمانِ ایزدی سے مجبور ڈیرہ میاں صاحب سے منڈی بہاؤ الدین پہنچ چکا ہوں اور اسٹیشن پہ گاڑی کے انتظار میں کھڑا ہوں۔ صاحبِ محطّہ نے اطلاع دی ہے کہ موجودہ سیل و تلاطم کی وجہ سے لاہور پہنچنے کی کوئی صورت نہیں مگر میرے نزدیک گھر سے نکلنے کے بعد شکستِ عزائم کا ارتکاب غیر مناسب ہے لہذا لالہ موسیٰ روانہ ہو رہا ہوں اور اس علاقہ پر الوداعی نظر ڈال رہا ہوں جسے حضرت علامہ نور الدین رح اور سر سید احمد خان نے خطۂ یونان اور اقلیم ایران سے تشبیہ دی تھی۔ یعنی وہ گجرات اور اس کے مضافات جہاں ہماری وڑائچ قوم نے دس پُشت سے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ اِس وقت گاڑی میں بیٹھا اس کی رو ا روی کا ترنم سن رہا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد ڈنگہ آ گیا ہے اور اس شہر کی میٹھی سونف کے گشتی تاجر ہمارے ڈبے کے سامنے کھڑے ہو کر اس متاعِ ہاضوم کو بیچنے کے لئے اونچے نیچے سُروں میں اس کی ثنا خوانی کر رہے ہیں۔ پُرانے لوگوں کا اس شہر کی وجہ تسمیہ کے متعلق خیال ہے کہ یہ نام ڈِنگہ یعنی ٹیڑھا نہیں بلکہ "دین گاہ" کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے۔ کیونکہ آج سے بہت عرصہ پہلے یہ شہر علومِ دینیہ کی مشہور درس گاہ رہ چکا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اب گاڑی وِسل دے کر سوئے لالہ موسیٰ رواں دواں ہے اور بوڑا کرنانہ کا اسٹیشن جو گُجر قوم کی طرف منسوب ہے۔ اس کا دستِ

طلیعہ دکھائی دے رہا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ لفظ گجر گاوچر کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ یہ قوم وسطِ ایشیا سے اِس مُلک میں آئی تھی۔ اور اس کے مختلف قبائل جو تہال، ڈوگے اور کھادی کہلاتے ہیں اِس نواح میں اُترے تھے۔ آرین نسل چونکہ بہت زور آور تھی اس لئے یہ قوم اس کے مقابلہ سے عاجز آکر پہاڑی علاقوں میں پناہ گزین ہوگئی اور پھر امن عامہ ہونے پر میدانی علاقوں میں اُتر آئی۔ تلک الایّام ندا ولہا بین النّاس۔

اِس وقت گاڑی لالہ موسیٰ پہنچ چکی ہے اور میں پلیٹ فارم سے اُتر کر ٹکٹ گھر کے سامنے کھڑا ہوں اور بابو صاحب کی اس اطلاع پر کہ سیلاب کی وجہ سے گاڑی لاہور نہیں جائے گی، اپنے عزائم کی گتھیاں سلجھا رہا ہوں۔ اور پھر اِس خیال سے کہ سندھ ایکسپریس کندیاں اور مظفر گڑھ سے ہو کر ملتان اور کراچی جانے والی ہے لودھراں کا ٹکٹ لے کر اس میں سوار ہو چکا ہوں اور اس کی تیز روی کے ساتھ ساتھ انّا ناتی الارض ننقصہا من اطرافہا کا نظارہ دیکھ رہا ہوں اور کسی شاعر کی یہ رباعی گنگنا رہا ہوں ؎

پیچھے ہے میرے قافلۂ حسرتِ یک عمر
آگے میرے وہ شب ہے سحر جس کی نہیں ہے
بے سُود ہے اندازۂ مستقبلِ ہستی
ہونا ہے وہی ہم کو خبر جس کی نہیں ہے

معلوم نہیں یہ رباعی میرے تحت الشعور سے اُٹھ کر پردۂ شعور پر کیسے آگئی ہے اور میں آپ کی یاد کو ستم ہائے روزگار سے کیوں نسبت دے رہا ہوں۔

بہرحال اس وقت میل گاڑی کی برق رفتاری اور چھوٹے سٹیشنوں کے منتظر مسافروں کی مایوسی دل پر عجیب چرکے لگا رہی ہے۔ سوچتا ہوں کہ آج میں بھی اِن مسافروں کی طرح ایک روحانی میل گاڑی سے بچھڑ کر اپنی منزلِ مقصود سے محروم ہو چکا ہوں اور نہ معلوم ابھی کتنا عرصہ اِسی حسرت کا شکار رہوں گا ؎

یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

اس وقت اگرچہ میری آنکھوں کے سوکھے ہوئے چشمے آنسو بہانے سے قاصر ہیں مگر درد کی وہ کسک جو گاڑی کے چنگ و رباب کے ساتھ میرے دل میں چٹکیاں لے رہی ہے حیطۂ الفاظ سے باہر ہے۔ کاش میرا خدا میری دبی ہوئی فریادوں کو نالہائے رسا کی شکل میں بدل دے اور میں پھر اسی کھوئی ہوئی جنت میں آباد ہو سکوں۔

اِس وقت سرگودہا کا شہر قریب آگیا ہے اور اسٹیشن کے برقی قمقمے اس وقفۂ قیام کا پتہ دے رہے ہیں جو لمبے سفر کے بعد مسافروں کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ شہر

"گودہا" نامی ایک بھنگی کے سر یعنی تالاب کے نام پر سرگودہا مشہور ہوگیا ہے۔ بہر کیف تقدیر کے اس بھید کو کون سمجھ سکتا ہے کہ نوعِ انسانی کے مٹتے ہوئے ناموں میں سے ایک بھنگی کا نام یوں بامِ شہرت پر پہنچے گا اور اس کے نام پر ایک شہر آباد ہو جائے گا۔

یہاں سے اٹھائیس میل کے فاصلہ پر مجھے پھر وہی بستی نظر آ رہی ہے جہاں سے قسامِ ازل نے میری قسمت میں ہجرت لکھی تھی۔ میں گوناگوں پریشانیوں کے باوجود اس بستی سے وہی محبت رکھتا ہوں جو موجودہ حالات سے قبل میرے دل و دماغ میں جاگزیں تھی اور اب بھی وہ گلیاں اور شاہراہیں اسی طرح میری آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہیں جس طرح آج سے ایک سال قبل۔ میں اس بستی میں کب واپس جاؤں گا یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے البتہ اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے اس کی محبت کو ہمیشہ حرزِ جاں بنائے رکھوں گا ؎

الا لیت شعری ہل ابیتن لیلۃ
بوادٍ وحولی اذخرٌ وجلیل [1]

---

[1] اس جدائی کا اگر مجھے پہلے علم ہو جاتا تو میں اس وادی میں ایک رات اور بسر کر لیتا جہاں میرے ارد گرد اذخر اور جلیل کے پودے تھے۔ یہ شعر ہجرت کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ اکثر پڑھا کرتے تھے۔

اب گاڑی سرگودھا سے الوداعی وصل دیکر اسی برق رفتاری سے خوشاب کی طرف جارہی ہے۔ راستے میں دھریمہ کا اسٹیشن آگیا ہے مگر گاڑی کی بے اعتنائی کا شکار ہو کر نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے۔

یہ اسٹیشن ویسے تو کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا مگر اس لحاظ سے کہ یہ جگہ میرے والد بزرگوار کے خالہ زاد بھائی میاں احمد علی صاحب ننگیانہ کی جائے رہائش ہے میرے لئے ضرور باعثِ کشش ہے۔ کہتے ہیں کہ پرانے زمانہ میں کسی علاقہ کے مسلمانوں میں سے ایک بزرگ میاں حبیب سلطان جب کرانہ پہاڑی پر استغراقِ عبادت کی وجہ سے ظاہری پوشش سے عاری ہو گئے تو لوگوں نے ان کا نام 'ننگیانہ' رکھ دیا۔ اب اُن کے خاص ارادت مندوں کی اولاد جو ارد گرد سارے علاقہ میں شمار ہوتی ہے اسی لقب سے مشہور ہے۔ اور سرگودہا کے نواح میں کئی مواضعات پر حقوق مالکانہ رکھتی ہے۔

بہر کیف جس وقت دھریمہ کا اسٹیشن گزرا تو عہدِ گزشتہ کے وہ تمام واقعات میری آنکھوں کے سامنے آگئے جب میرے والد بزرگوار کے خالو میاں اورنگ زیب ننگیانہ بقیدِ حیات تھے اور میرے دادا مرحوم کے ساتھ آپ کے تعلقاتِ محبت قائم تھے۔

وے صورتیں نہ جانے کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

گاڑی اسی تگا پو میں مصروف ہے اور دریائے جہلم سے گزر کر خوشاب کے اسٹیشن پر سستانے کی تیاری کر رہی ہے۔ لیجئے اب خوشاب آگیا ہے اور ہم پنواڑی سے پان لے کر نیند کی یورشوں کو روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر وہ لطفِ خاص جو ایک دو مرتبہ اس سے قبل حاصل ہوا تھا میسّر نہیں آسکا۔ معلوم نہیں اس کی اصل وجہ پان کی خرابی ہے یا محفلِ گزشتہ کا فقدان۔ بہرحال پان زہر مار کرتے ہوئے شیر شاہ سوری کا زمانہ یاد آرہا ہے۔ جب وہ اس علاقہ میں فروکش ہوا اور یہاں کے میٹھے پانی کی وجہ سے اس شہر کو خوشاب کے نام سے موسوم کر گیا۔

اب تقریباً آدھی رات ہو چکی ہے اور گاڑی اسی طرح اپنے وظیفۂ رحیل میں پہیوں کی تسبیح چلا رہی ہے۔ سامنے حدِ نظر تک بجلی کے کھمبے اور ان پر دودھیا رنگ کے قمقمے نظر آرہے ہیں اور ان کے پہلو میں جوہر آباد اور قائد آباد وغیرہ شہر حکومتِ پاکستان کی کوششوں سے آباد ہو رہے ہیں۔ مجھے یہ آبادی دیکھ کر بہت تعجب ہوا کیونکہ چند سال قبل جب میں اس راستے سے پشاور گیا تھا تو اس لق و دق صحرا میں کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا۔

کہتے ہیں کہ خانخاناں ایک دفعہ آگرہ سے برہان پور کو روانہ ہوئے۔ پہلی ہی منزل پر شامیانے کے نیچے اپنے مصاحبوں

کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک فقیر سامنے سے گزرا اور اُس نے پکار کر کہا ؎

منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

انہوں نے خزانچی کو حکم دیا کہ "لاکھ روپے دے دو" فقیر دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔ دوسری منزل پہ فقیر پھر سامنے سے نکلا اور وہی شعر پڑھا۔ انہوں نے پھر کہہ دیا کہ "لاکھ روپیہ دے دو" غرض وہ سات دن برابر اسی طرح آتا رہا اور روپیہ لیتا رہا۔ پھر خود ہی سوچا کہ یہ انعام آج تک کسی سے نہیں پایا۔ امیر ہے، ممکن ہے کسی دن طبیعت حاضر نہ ہو خفا ہو کر سب چھین لے اِسی کو غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ آٹھویں دن خانخاناں پھر دربار لگا کر بیٹھے معمول سے زیادہ دیر ہو گئی تو کہنے لگے "آج وہ ہمارا فقیر نہ آیا۔ برہان پور آگرہ سے ستائیس منزل ہے۔ ہم نے تو پہلے دن ہی ستائیس لاکھ روپیہ خزانہ سے مہیا کر دیا تھا۔ کم حوصلہ ہوگا معلوم نہیں دل میں کیا سمجھا"؟

غرضیکہ میں انہیں خیالات میں کھویا ہوا کندیاں اور وہاں سے مظفر گڑھ پہنچا اور اس شہر کی عمارتوں اور نخلستانوں کا سرسری جائزہ لینے کے بعد اس کے اس عہدِ زریں میں کھو گیا۔ جبکہ میرے نانا اِس شہر کے محکمہ بند و بست میں ملازم تھے اور آپ

نے میرے مرشد و مولیٰ کی کتاب براھین احمدیہ کی خریداری کے لئے اپنا نام پیش کیا تھا۔ مجھے اس وقت ان مردانِ خدا کا بھی خیال آیا جو مختلف علاقوں میں اپنی عمرِ عزیز گزارنے کے بعد اب زیرِ زمین آرام کر رہے ہیں۔ یہ شہر اگرچہ انسانوں کی نسبت زیادہ پائیدار ہیں مگر مختلف ممالک کے ویران کھنڈرات جو کہیں بابل و نینوا اور کہیں ہڑپہ و ٹیکسلا کے نام سے موسوم ہیں۔ ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ باقی من کل فانی کوئی لفاظی نہیں بلکہ ایک مسلّمہ حقیقت کا اظہار ہے۔

میں انہیں خیالات میں غلطاں و پیچاں حیات و زیست کی گتھیاں سلجھا رہا تھا کہ اچانک گاڑی کی تیز روی نے خرامِ ناز کی صورت اختیار کر لی۔ کھڑکی سے جھانکنے پر معلوم ہوا کہ سامنے تریموگھاٹ ہے یعنی چناب و جہلم کا سنگھم۔ اور طوفانِ آب کی وجہ سے ریل کا پُل گاڑی کی تیز روی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ خیر گاڑی آہستہ آہستہ پُل پر سے گزری اور میں نے اس سیل و تلاطم کا اندازہ لگایا جس نے لاہور کی بجائے مجھے براستہ کندیاں آنے پر مجبور کیا تھا۔ اس طوفانِ آب کو دیکھ کر مجھے وہ ہیبت ناک پیشگوئی یاد آ گئی جو میرے مقدس پیشوا نے اہلِ ملک کو مخاطب کرتے ہوئے کی تھی:۔

"میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس ملک کی نوبت بھی

قریب آتی جاتی ہے ۔ نوحؑ کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائے گا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ " الخ

الغرض مَیں ملتان سے ہوتا ہوا لودھراں پہنچا ۔ چونکہ پیرزادہ صاحب کی رہائش گاہ یہاں سے قریب ، بلکہ گجرات کی نسبت قریب تر تھی اس لئے مجھے اس وقت عرب کے ایک بادیہ نشین کا شعر یاد آگیا ؎

لکلٍّ تداوینا وذالک لم یکن
الا انّ قرب الدّار خیر من البعد [۱]

پیرزادہ صاحب کی جائے سکونت موضع گوگڑاں جانے کے لئے مَیں اڈے پر کھڑا اس وقت لاری کا انتظار کر رہا ہوں اور طوفانِ گرد و غبار سے اپنی نظروں کا دامن بچا رہا ہوں ۔ اس گرد و غبار کی فراوانی اور اپنی دامن کشی کو دیکھ کر مجھے اِس وقت عالمگیر کی صاحبزادی زیب النساء مخفی کا شعر یاد آ رہا ہے ؎

آہستہ بگذری چو رسی بر مزارِ من
شاید بدامنت بنشیند غبارِ من

مَیں اسی طرح عالمِ تصوّر میں اپنے عہدِ ماضی کا تماشا کر رہا تھا کہ

---

[۱] ہم نے دُور و نزدیک رہ کر مرضِ محبت کا علاج کیا ہے ۔ سچی بات یہی ہے کہ محبوب کا قرب اس کے بعد سے زیادہ اچھا ہے ۔

معلوم ہوا اب موضع مذکور میں کوئی لاری نہیں جائے گی۔ اس لئے ناچار مجھے پا پیادہ چلنے کا فیصلہ کرنا پڑا اور میں گوگڑاں کا راستہ پوچھ کر اس دریائے گرد و غبار میں کود پڑا۔ اس علاقہ کا ماحول اور لوگوں کی طرزِ رہائش کوئی ایسی دلکش نہیں ہے البتہ جابجا اونٹوں کی قطاریں اور بان اور پیلو کے پیڑ دیکھنے سے خطۂ عرب کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ میں ان اونٹوں کی بلبلاہٹ اور اُن کے زنگولوں کی جھنکار میں اس ریگ زار کو طے کر رہا ہوں اور ان پیڑوں کو دیکھ کر ایک آشفتہ مزاج اعرابی کے اِس غزلیہ کو گنگنا رہا ہوں ؎

دعاك الله یا سلمیٰ دعاك

ودارك باللویٰ ذات الاراك

قتلتِ بفاحم وبذی غروب

اخا قوم وما قتلوا اخاك

اِس وقت خطۂ گرد و غبار انسانی تگ و دو سے آرام پانے کے لئے تاریکیٔ شب کی چادر اوڑھ کر سستانے کی تیاری کر رہا ہے۔ سامنے سے آنے والے آدمی سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان گھنے درختوں کی اوٹ میں اونچی اونچی عمارتیں اسی قصبہ کی ہیں جو میری منزلِ مقصود ہے۔ چنانچہ میں اِس خیال سے کہ اب کاروانِ جستجو چشمۂ مراد پہ پہنچ کر اپنی تشنگی بجھانے کو ہے مطمئن ہو چکا ہوں اور

گوگرماں میں داخل ہوکر یہاں کے رئیس مرزا نیک محمد چغتائی کے پاس بیٹھا ہوں۔ مرزا صاحب موصوف جو اس وقت موضع مذکور میں تخمیناً پانچ ہزار ایکڑ اراضی کے مالک ہیں نہایت متواضع اور خلیق انسان ہیں۔ چونکہ آپ عمو صاحب سے رشتۂ عقیدت رکھتے ہیں اس لئے یہ بات معلوم ہونے پر کہ میں ڈیرہ میاں صاحب سے آیا ہوں بہت خوش ہیں۔ آپ دراصل شہر حصار کے باشندے ہیں اور آپ کا خاندان شاہانِ تغلق کے زمانہ سے مسندِ اقتدار پر فائز چلا آتا ہے۔ مجھے یہ سُن کر بہت افسوس ہوا کہ تقسیمِ ہند کی گذشتہ آشوب کاری نے آپ کے خاندان کے اکثر افراد کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر اس خاندان کا ایک نادر کتب خانہ بھی تلف کر دیا ہے۔ مرزا صاحب موصوف کا کہنا ہے کہ اس کتب خانہ میں تقریباً بارہ ہزار ایسی کتابیں تھیں جن کا کسی دوسری جگہ ملنا محال ہے۔

آپ سے دورانِ گفتگو میں اور بھی کئی حقائق کا علم ہوا مگر پیرزادہ صاحب کی عدم موجودگی نے میرے قصرِ مساعی کو متزلزل کر دیا اور میں پھر اسی باطنی کشمکش میں اُلجھ گیا جو اس قصبہ کے ورود سے پہلے لاحق تھی۔ مرزا صاحب بضد ہیں کہ میں عرصۂ دراز تک اُن کی محفلِ طرب و نشاط میں شریک رہوں مگر میں پیرزادہ صاحب کی جستجو کے لئے بے قرار ہوں۔ آخر بڑے ردّ و کد کے بعد دو دن کے وقفۂ قیام پر اتفاق ہوا اور اس کے بعد میں چک اوڈانوالہ جانے کے لئے تیار

ہو گیا۔

مرزا صاحب موصوف نے لاری میں سوار کرانے کے لئے اُپنے ایک ملازم کو میرے ساتھ کر دیا مگر اڈے پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ لاری ایک بجے سے قبل نہیں مل سکتی۔ ناچار میں اپنے عزائم جفاکشی کو ایڑ لگاتے ہوئے پاپیادہ روانہ ہو گیا۔ طوفانِ آب کی وجہ سے چونکہ گاڑیوں کی آمد و رفت بے قاعدہ ہو گئی تھی اس لئے میرا کشتی حیات کو اس ریگِ رواں کے سمندر میں ڈال کر ساحل لودھراں پر لگانا بہت مفید ثابت ہوا۔

اس وقت جبکہ دن کے تقریباً بارہ بج چکے ہیں گاڑی اسٹیشن پر کھڑی ہے اور میں ٹکٹ لے کر اس میں سوار ہو چکا ہوں۔ یہ گاڑی چونکہ بہاولنگر کی راہ سے خانیوال جا رہی ہے اس لئے ضلع ملتان کے ایک دوسرے علاقہ کے دیکھنے کا موقع میسر آگیا ہے۔ خانیوال پہنچنے پر معلوم ہوا کہ بیچہ وطنی جانے والی گاڑی رات کے نو بجے روانہ ہوگی۔ چنانچہ اس عرصۂ قیام میں فریضۂ نماز کی ادائیگی اور اور اکلِ طعام سے فراغت حاصل کی اور وقتِ مقررہ پر گاڑی میں سوار ہو گیا۔

خدا خدا کر کے بیچہ وطنی کا اسٹیشن آیا اور میں گاڑی پر الوداعی نظر ڈال کر اس کے مسافر خانہ میں فروکش ہو گیا۔ اس جگہ لوگوں کا کافی اژدحام ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ تمام کا تمام ہجوم ایسے خستہ حال

مسافروں پر مشتمل ہے جو طوفانِ آب کی وجہ سے بے گھر ہو چکے ہیں۔ اعمالِ انسانی کی پاداش کا یہ منظر بے حد دردناک ہے اور سیلاب کی تباہ کاریوں کی تفصیل سُن کر طوفانِ نوح کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

مَیں رات بھر اِنہیں حالات پر غور کرتا رہا اور صبح ہوتے ہی پیرزادہ صاحب کے چک کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہُوا کہ پیرزادہ صاحب کل سے منڈی بوریوالہ جا چکے ہیں۔ بہرحال تعارف کرانے پر اُن کے خُسر سیّد بہادر علی شاہ صاحب نے مجھے پہچان لیا اور حسبِ دستور بڑی گرمجوشی سے خوش آمدید کہا۔ آپ سے دریافت کرنے پر معلوم ہُوا کہ پیرزادہ صاحب کل تک ضرور آ جائیں گے۔ چنانچہ مَیں ایک چارپائی پر بیٹھ گیا اور آپ میرے آذوقہ و طعام کی تیاری کے لئے اندرونِ خانہ تشریف لے گئے۔ الحمد للہ کہ مَیں ابھی کھانے سے فارغ ہی ہوا تھا کہ پیرزادہ صاحب آ گئے۔

اب میری قوّتِ متخیّلہ "اندیشہ ہائے دُور و دراز" کی بجائے اِس گاؤں کے محلِ وقوع اور دریائے راوی کے اس 'عذابِ سیّال' پر غور کر رہی ہے۔ اور مَیں اِس بات پر حیران ہو رہا ہوں کہ وہ ارحم الرّاحمین خدا آج اتنا سخت گیر کیوں ہو گیا ہے کہ نوعِ انسان کو اس کی بد اعمالیوں کی سزا ایسے عذابوں سے دے رہا ہے جن کا وجود معمورۂ دنیا پر اس سے قبل اِس رنگ میں محیط نہیں تھا۔ اور پھر اس واہمہ کے ساتھ ساتھ مَیں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ جب ہر فرد و بشر

اپنی املاک کے تحفظ کا حق رکھتا ہے تو اللہ میاں اِس بات کا کیوں حق نہیں رکھتا کہ اُس کی مخلوق جو اُسی کی ملکیت ہے جب اُس کا آستانہ چھوڑ کر خواہشاتِ نفسانی کی غلام بن جائے تو وہ اُس کی گوشمالی نہ فرمائے اور ایسے ذرائع استعمال نہ کرے جن کے توسط سے پھر قلوبِ انسانی پر اُس کی حکومت قائم ہو جائے ؎

لا یسلم الشرف الرفیع من الاذیٰ
حتّٰی یراق علیٰ جوانبہ الدمُ[1]

مَیں انہیں خیالات میں ڈوبا ہوا قرآن مجید کے ان مضامین کی گہرائیوں میں اُتر گیا جو اِنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ اور وَمَا ظَلَمْنَاھُمْ کے الفاظ میں پوشیدہ ہیں یعنی اللہ تعالےٰ کی خیر الراحمین ذات کسی پر ظلم نہیں کرتی بلکہ یہ مصائب و شدائد ہماری اپنی ہی بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں ؎

رام جھروکے بیٹھ کے سب کا مجرا لے
جیسی جاکی چاکری ویسا واکو دے

کیا وہ خدا جو نوح علیہ السّلام کو طوفانِ آب سے اور ابراہیم

---

[1] دنیا میں کوئی بزرگی بھی دکھ سے محفوظ نہیں رہ سکتی جب تک اسکے ارد گرد خون کی بھینٹ نہ چڑھائی جائے۔

علیہ السلام کو آتشِ نمرود سے اور موسیٰ علیہ السلام کو سمندر کے تلاطم سے اور ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے اعمالِ حسنہ کی وجہ سے مکّہ کے خونخوار دشمنوں سے نجات دے سکتا ہے اب زندہ نہیں؟ یقیناً وہ اب بھی زندہ ہے اور اسی طرح معجزات دکھانے پر قادر ہے مگر ہمارے اعمال میں وہ صلاحیت باقی نہیں رہی۔ کاش یہ دربدر ٹھوکریں کھانے والی مخلوق اس کے آستانے پر جھک کے اپنے گناہوں کی معافی مانگے ورنہ وہ عذاب جو معمورۂ دُنیا کو اِس سے قبل کئی دفعہ مٹا کر صحراؤں میں تبدیل کر چکا ہے اس کی آمد آمد کوئی دُور نہیں۔

آج پیرزادہ صاحب مجھے چیچہ وطنی سے ہڑپہ کے آثارِ قدیمہ دکھانے کے لئے اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔ یہ کھنڈر جو آج سے تقریباً پانچ ہزار سال قبل کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں میرے دوکش وامروز کے حالات سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ مَیں اِس شہر کے اُجڑے ہوئے اناج گھر، شکستہ عبادت خانے اور بے آب کنویں دیکھ رہا ہوں۔ اور مجھے اس بستی کا خیال آ رہا ہے جسے بدیع السّمٰوٰت والارض نے گوشت پوست کے مواد سے احسن تقویم میں تیار کیا اور پھر حیات وبقا کے دریچوں کو کھول کر اس کی رُوح کے ایوان میں جلوہ افروز ہوا اور اس بستی کا نام حضرتِ انسان تجویز فرمایا۔ ناگاہ اس بستی کی خلوت گاہوں سے خواہشاتِ

نفسانی کے اندرونی دشمن نے بغاوت کی اور شیطان کے بیرونی غنیم کو اس بستی پر شبخون مارنے کی دعوت دی۔ چنانچہ وہ ایک لشکرِ جرار کے ساتھ اُس پر حملہ آور ہوا اور اُس کے گراں بہا دفینوں کو لوٹ کر اُس کی اینٹ سے اینٹ بجا گیا۔ اب وہی بستی جو کلِ بطورت معیشتہا کا بڑا بول بول رہی تھی آج خاویۃٌ علیٰ عروشہا کا درسِ عبرت پیش کر رہی ہے۔ اور میں اِن کھنڈرات پر کھڑا کھڑا سوچ رہا ہوں کہ اِن دونوں بستیوں میں سے کونسی بستی زیادہ قابلِ رحم اور لائقِ عبرت ہے۔ آیا وہ جسے نوعِ انسان نے آباد کیا تھا یا وہ جسے احسن الخالقین نے اپنے دستِ راست سے تعمیر فرمایا تھا؟

آج ہم منٹگمری سے ہوتے ہوئے اوکاڑہ پہنچ کر ملک عطاء الرحمن خاں علوی کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ عزیز میرا عہدِ گزشتہ کا پُرخلوص دوست ہے اور دوست کی خدمت کرنا اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتا ہے۔ اسے دیکھتے ہی مجھے ذوق مرحوم کا یہ شعر یاد آگیا؎

اے ذوقؔ کسی ہمدمِ دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقاتِ مسیحا و خضر سے

رات اوکاڑہ میں گزارنے کے بعد آج ہم دیپالپور سے ہوتے ہوئے موضع شیمان شاہ پہنچ چکے ہیں۔ راستے میں پانی

کا وہ خطہ جو اوکاڑہ اور دیپالپور کے مسافروں کے لئے سدِّراہ بنا ہوا ہے نظر آ رہا ہے۔ یہ پانی تقریباً ایک میل کی لمبائی میں پھیلا ہوا ہے اور تین فٹ سے گیارہ فٹ کی بلندی تک بہتا ہوا اس علاقہ کی فصلوں اور مکانوں کو غرقاب کر چکا ہے۔ لاریاں پانی کے دونوں کناروں پر کھڑی ہو کر سواریوں کو اُتار دیتی ہیں اور مسافر اپنی چادروں اور پائجاموں کو اٹنگ کر اس دریا کے نوزائیدہ میں کود پڑتے ہیں۔ درمیان کے زیادہ گہرے حصے کو عبور کرنے کے لئے چونکہ کشتیوں کا انتظام موجود ہے اس لئے مسافر اس نیم شناوری کے بعد اِن کشتیوں کے ذریعے ساحلِ عافیت پر پہنچ جاتے ہیں۔

موضع سُبحان شاہ میں چند روز قیام کرنے کے بعد آج پھر ہمارے عزمِ رحیل نے خیمۂ قیام کی طنابیں اکھاڑی ہیں اور ہم رختِ سفر باندھ کر موضع پاناہار کی طرف مُہار اُٹھا رہے ہیں۔ یہ موضع چونکہ ستلج اور بیاس کے سنگھم پر واقع ہے اس لئے ہمیں پھر دیپالپور سے گزرنا پڑا۔ دیپالپور جو اس وقت ضلع منٹگمری کی ایک تحصیل ہے بہت پُرانا شہر ہے۔ جسے کسی زمانہ میں دیپال نامی ایک ہندو نے آباد کیا تھا اور اس کے بعد عبدالرحیم خانخاناں نے اس جگہ ایک قلعہ تعمیر کروایا تھا۔

اس شہر سے گزر کر ہم بصیر پور پہنچے - یہ قصبہ اچھا بارونق ہے اور یہاں سکھوں کے عہدِ حکومت کا بنا ہوا ایک قلعہ بھی موجود ہے - آج کل سیلاب کی وجہ سے گاڑیوں کی آمد و رفت تو بند ہے مگر آس پاس کے قصبات سے تانگے آتے رہتے ہیں - یہ علاقہ بھی طوفانِ آب کی تباہ کاریوں سے محفوظ نہیں رہ سکا اور لوگ اپنے اپنے دیہات میں جلا وطنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں -

اس وقت دریائے ستلج کا طاس اور اس میں حدِ نظر تک پھیلی ہوئی چاندنی عجیب سماں دکھا رہی ہے - میں اور پیرزادہ شاہ حسن اور نور محمد بویا دریا کے اس بند پہ جا رہے ہیں جو ہیڈ سلیمان سے موضع ملّا تک دس بارہ میل کی لمبائی میں پھیلا ہوا ہے - اس دریا کا دوسرا کنارہ چونکہ ہندوستان میں شامل ہے اس لیے رات کے سناٹے اور درختوں کے سائے میں مجھے وہ گزرا ہوا زمانہ یاد آ رہا ہے جبکہ ہم اُس پار بود و باش رکھتے تھے اور ہمارا دل و دماغ دنیاداری کی موجودہ کاوشوں سے پاک تھا - اُس وقت کے وہ زرّیں لمحات جو میری موجودہ مصیبتوں اور دکھوں کا موجب ہوئے ہیں ایک ایک کر کے میرے سامنے آ رہے ہیں اور میں اپنی عمرِ عزیز کے اُس حصّہ پر آنسو بہا رہا ہوں - کاش زمانہ کی گردشیں میرے جامۂ اعمال سے اِن دھبّوں کو صاف

کر دیں جن کے ہونے کی حسرت مجھے نہ ہونے پر مجبور کر رہی ہے۔

اے دریائے نیل کے گھنے درختو!

کیا وہ زمانہ پھر بھی آ سکتا ہے جو میں نے آج سے نو دس سال پہلے اس خطۂ پاک میں گزارا تھا جو تمہارے میدانوں کا جنت نظیر خطہ ہے؟

اے گردشِ افلاک کے مالک مجھ پر رحم کر۔ اے تقدیروں کو بدلنے والے میری حالتِ زار کو دیکھ۔ مجھے تیری ذات کی قسم ہے کہ میں اپنی زندگی سے عاجز آ گیا ہوں۔ مجھے تیری رحمت کا واسطہ ہے کہ میرے گناہوں کو بخش دے اور اب مجھے اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے۔ یہ دنیا دنیا والوں کو مبارک ہو۔ میں تجھ سے صرف اپنے گناہوں کی بخشش اور قبر کی دو گز زمین مانگتا ہوں۔ وا حسرتا کہ ؎

لکڑی جل کوئلہ بنی کوئلہ بنا جل راکھ
میں بپاپن ایسی جلی نہ کوئلہ بنی نہ راکھ

اس وقت رات کے نو بجے کا وقت ہو چکا ہے اور ہم موضع پانا جہاں میں داخل ہو کر پیرزادہ صاحب کے خواہرزادہ سید مظفر علی صاحب

؎ یہ عجیب بات ہے کہ اس دعا کے کچھ عرصہ بعد ہی آپ بعمر ۷۴ سال ۲۶ر فروری ۱۹۵۹ء کو وفات پا گئے اور بہشتی مقبرہ میں مدفون ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ موضع اگرچہ دریا کے کنارے پر واقع ہے مگر کشتیٔ نوح کی طرح طوفانِ آب کی زد سے محفوظ ہے یہ معلوم نہیں اس کی اصل وجہ اس بند کی فصیل ہے یا اللہ تعالیٰ کی قدرت نمائی بہرکیف ایسے خطرناک سیلاب میں اس گاؤں کا غرقابی سے بچ رہنا اس کے فضلوں سے خالی نہیں۔ یہ موضع پیرزادہ صاحب کے تایا سید حسن علی صاحب کی وجہ سے اس نواح میں کافی مشہور ہے۔ سید صاحب مرحوم بہت بڑے عالم تھے اور کئی ایک کتابوں کے مصنف بھی۔ میں نے آپ کی ایک کتاب 'صادق الجواب' کے بعض حصوں کا مطالعہ کیا ہے۔ اس کتاب سے آپ کی علمی قابلیت اور تنقیدی صلاحیتوں کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے ؎

کاغذ لکھیا جگ رہے جے لکھ جانے کو
لکھن ہارا با پڑا گل گل مٹی ہو

اس وقت چاند کی دودھیا کرنیں اس بستی کے لوگوں کو تھپک تھپک کے سُلا رہی ہیں اور ہماری مجلس میں بیٹھنے والے بھی اپنے اپنے گھروں کو جا چکے ہیں۔ سید مظفر علی صاحب چونکہ شیعہ فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے فریضۂ خفتن سے قبل بعض ایسے دعائیہ اشعار کا ورد کر رہے ہیں جو شیعوں کے نزدیک خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ میں نے سوتے سوتے ان اشعار کو سنا اور ان کی دردناک مناجات سے کلّی حزب بما لدیہ فرحون کا اندازہ لگایا۔ آپ نے نعرۂ حیدری

لگانے کے بعد سب سے پہلے یہ شعر پڑھا ؎

سامان شتاب کر شے میرے دل کے چین کا
پروردگار واسطہ خونِ حسین کا

اس کے بعد ایک لمبی مناجات پڑھی اور پھر یا شبیرِ دو جہاں کے پیرِ کا ایک ہلکا سا نعرہ لگایا اور سونے کے لئے اپنے بستر پر دراز ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد مُرغِ سحر نے ہمیں بیدار کر دیا۔ اس وقت سیّد صاحب موصوف اُنہیں ببولوں کے نیچے جہاں رات بھر ہم نے کسی شاعر کے اس شعر کی داد دی تھی کہ ؎

بیٹھ جاتے ہیں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

چولہا دہکا کر اس پر چائے کی کیتلی رکھ رہے ہیں۔ شبِ ماہتاب میں اُن کے اِس اہتمامِ خاص نے اس وقت وہ سماں باندھا ہے کہ خاقانِ چین کے باورچی خانے بھی ماند پڑ گئے ہیں۔ میں لحاف اوڑھے ہوئے اس آتشِ سیّال کا انتظار کر رہا ہوں جس میں اہلِ کابل کے نزدیک لب بندی، لب سوزی، لب دوزی اور لبریزی کے خصائص کا ہونا ضروری ہے۔

الغرض اِس چائے نوشی کے بعد میں اور پیرزادہ صاحب اِس گاؤں پر الوداعی نظر ڈال کر موضع حویلی کی طرف چل پڑے۔ موضع حویلی پہنچ کر ہم نے موضع محب علی کی راہ لی۔ چونکہ سیلاب کی وجہ

سے سڑک ٹوٹ چکی ہے اس لئے یہ سفر بھی ہمیں پا پیادہ کرنا پڑا۔ موضع مذکور کا منظر ایسا دلخراش ہے کہ دیکھا نہیں جاتا۔ جس طرف نگاہ اُٹھائیں تباہی کے نشانات کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ یہاں کے رئیس میاں گوہر علی صاحب وٹو اور ان کے برادر خورد میاں محبوب علی صاحب چونکہ نہایت غریب پرور انسان ہیں اس لئے انہوں نے مزارعین کو اس طوفانِ آب کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی ہے۔ مجھے یہ سُن کر بڑی خوشی ہوئی کہ ان خانماں برباد لوگوں میں سے اکثر افراد کا سامانِ خورد و نوش اور اخراجاتِ علاج معالجہ یہ ہر دو رئیس اب بھی اپنی جیب سے ادا کر رہے ہیں۔

رات موضع مذکور میں گزارنے کے بعد علی الصبح ہم موضع ریتکے روانہ ہو گئے۔ یہ موضع چونکہ دریائے ستلج کے کنارے پر واقع ہے اس لئے طوفانِ آب کے وہ آثار جو ایسی جگہوں میں متوقع ہو سکتے ہیں راستے میں نظر آتے رہے۔

اب میں اور دیپ ڈائریکٹر صاحب موضع مذکور میں پہنچ چکے ہیں اور میاں محمد امیر صاحب وٹو کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ میاں صاحب موصوف اور ان کے برادران جو اس علاقہ میں تقریباً دو ہزار ایکڑ اراضی کے مالک ہیں۔ دراصل ریاست بیکانیر کے باشندے ہیں اور علمی و ادبی اوصاف کے علاوہ تواضع اور مہمان نوازی کی امتیازی خصوصیات

سے بھی آراستہ ہیں۔ مجھے یہ سُن کر بڑی خوشی ہوئی کہ محمد امیر صاحب نمبردار میرے برادر عزیز میاں احمد صاحب راجکی سے بھی تعارف رکھتے ہیں۔

نمبردار صاحب مذکور نے بتایا کہ اس طغیانی کے دوران میں جبکہ پانی چاروں طرف سے اس موضع کا محاصرہ کر چکا تھا یہاں کے اکثر لوگ دس روز تک بلا خواب و خورش اس کے دفاع کی کوشش کرتے رہے مگر پانی کے ریلے کے سامنے اُن کی کوئی پیش نہ چل سکی۔ جب اس گاؤں کی تھکی ہاری سپاہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئی تو آسمان سے اس کی رحمت کے فرشتے اُترے اور اُنہوں نے اس بپھرے ہوئے دشمن کے پاؤں اُکھاڑ دیئے۔ اب وہی سیلاب جو دس بارہ فٹ کی بلندی تک ٹھاٹھیں مارتا ہوا لاعاصم الیوم کا دعویٰ کر رہا تھا نظروں سے غائب ہو چکا ہے۔ مجھے اس طوفانِ آب کی غارتگری دیکھ کر اس وقت گورو بابا نانکؒ کے مندرجہ ذیل اشعار یاد آ گئے ؎

کوڑ راجہ کوڑ پرجا کوڑ سب سنسار ÷ کوڑ منڈپ کوڑ ماڑی کوڑ بیسن ہار
کوڑ سونا کوڑ رُپا کوڑ پہنن ہار ÷ کوڑ کایا کوڑ کپڑ کوڑ روپ اپار
کوڑ میاں کوڑ بی بی کھپ ہوئے خوار ÷ کوڑ کوڑے نیہوں لگا وِسریا کرتار
کِس نال کیجے دوستی سب جگ چلن ہار

مَیں ان اشعار کو پڑھ رہا ہوں اور کلّ شیٔ ھالک اِلّا وجھہ کے آئینہ میں اس فانی دُنیا کے کارناموں کو دیکھ رہا ہوں۔

یہ تازیانۂ عبرت اگرچہ پندنامۂ عطار سے کچھ کم سبق آموز نہیں مگر کسی شخص کا اس سے نصیحت حاصل کرنا اس کے فضلوں پر منحصر ہے۔

آج موضع مذکور سے واپس آ کر میں اور پیرزادہ صاحب موضع کمہاری والا جا رہے ہیں۔ یہ موضع کمہار قوم کی ایک نیک دل عورت کی وجہ سے کمہاری والا کہلاتا ہے۔ چونکہ اس موضع کے ایک مہاجر بابا لکھمیر خاں چوہان سے پیرزادہ صاحب کے دیرینہ مراسم ہیں اس لئے پاکپتن جانے کی بجائے رات ہمیں یہیں قیام کرنا پڑا۔ بابا لکھمیر خاں اگرچہ اس وقت نہایت عسرت سے زندگی بسر کر رہے ہیں مگر مہمانوں کی تواضع کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ ہمارے آنے پر آپ نے سب سے اول چائے کا انتظام کیا اور پھر پیرزادہ صاحب کے کہنے پر کہ یہ قندِ سیاہ کی چائے نہیں پیا کرتے میرے لئے الگ نمکین چائے تیار کی۔

چائے آنے پر اس کی مہک سے مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں اس وقت کمہاری والا ضلع منٹگمری میں نہیں ہوں بلکہ حکیم رحمت اللہ صاحب گورداسپوری کے پاس بیٹھا دردِ شکم کا جوشاندہ پی رہا ہوں۔ کیونکہ بابا لکھمیر خاں نے ایک ماشہ پتی کے ساتھ بادیاں اور شیر گاؤمیش اور آبِ زلال کی اس طرح آمیزش کی تھی کہ اس ترکیب خاص کو حکیم جالینوس بھی نہ سمجھ سکے۔ میں نے جب اس صدری نسخہ کی تفصیلات دریافت کیں تو آپ نے اس کے قیمتی اجزاء اور حتمی فوائد پر ایسی برجستہ تقریر فرمائی کہ سامعین عش عش کر اٹھے۔ مجھے اس وقت خیال آیا کہ چائے کی عام شہرت کے لئے یہ کیمیاوی مرکب بہت نقصان دہ ثابت ہوگا لیکن اسی اثناء میں برادرم

مولوی چراغ دین - لالہ عبدالرحمٰن - لالہ عبداللہ جان - لالہ عطاء اللہ بھٹی اور چوہدری عبدالعزیز کی بزم چائے نوشی یاد آ گئی اور خیال آیا کہ ہم ایسے بلانوشوں کی موجودگی میں چائے کی مارکیٹ کو فیل کرنا بابا لکھمیر خاں کے بس کا روگ نہیں۔ اللہ اللہ وہ بھی کیا دن تھے جب ہماری محفل میں اس جام ارغواں کا دَور چلتا تھا اور پھر اس کی تیزی اور خوشبو کیلئے زعفران کے حوالے دیئے جاتے تھے۔ اس وقت کی چائے جو خونِ کبوتر اور شنگرفِ رومی کے ہم رنگ ہوا کرتی تھی آج کہاں — آں قدح بشکست وآں ساقی نماند۔

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط

دامانِ باغبان و کفِ گلفروش ہے

یا صبحدم جو دیکھئے آ کر تو بزم میں

نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی

اِک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

آج مَیں اور پیرزادہ صاحب پاکپتن جا رہے ہیں۔ یہ جگہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کی وجہ سے کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اس شہر کا محلِ وقوع اس طائرِ لاہوت کی طرح زمین کی عام سطح سے اس قدر بلند ہے کہ میلہا میل کی مسافت سے نظر آ رہا ہے۔ اس خطۂ پاک کو دیکھتے ہی مَیں نے اپنے خانۂ دل میں ایسی شعاعوں کو محسوس کیا جن کے فیضان سے رُوح کی ظلمتیں کافور ہو جاتی ہیں۔ ہم اس بلدۂ مطہر کے ایک بازار سے ہوتے ہوئے میاں خوشی محمد وٹو کے پاس پہنچے۔ کھانا

تناول کرنے کے بعد پیرزادہ صاحب نے اس آستانۂ پاک پر جانیکی فرمائش کی جس کی زیارت کے لئے میں عہدِ طفولیت سے بے چین تھا۔ چنانچہ میں اسی وقت اُٹھا اور پیرزادہ صاحب کی معیت میں بابِ فردوس پہ پہنچا۔ اس دروازے میں داخل ہوتے ہی مجھے اپنی بے بضاعتی کے ساتھ اس مردِ خدا کے فیضِ عام کا خیال آیا جس نے اپنی اکسیر گر نگاہ سے لاکھوں انسانوں کو کندن بنا دیا تھا۔ اس خیال کے آتے ہی میں دعا میں مشغول ہو گیا اور دیر تک وابتغوا الیہ الوسیلۃ کے ماتحت آپ کے توسّط سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہا ؎

آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

الغرض آستانۂ پاک کی زیارت کے بعد ہم ڈاکٹر فلک شیر صاحب کے پاس پہنچے۔ آپ چونکہ خواجہ نظام الدین صاحب تونسوی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہیں اس لئے رات گئے تک انہی کی مدح سرائی کرتے رہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کسی بزرگ سے عقیدت رکھنا بہت اچھی بات ہے مگر مذہبی دنیا میں محض عقیدت ہی کافی نہیں ہوتی بلکہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کسی باخدا کہلانے والے کے اعمال کیسے ہیں اور اسے کہاں تک خدا تعالیٰ کی نصرت حاصل ہے ؎

وکل یدعی وصلاً بلیلیٰ
ولیلیٰ لا تقر لھم بذالک[۱]

---

[۱] ہر ایک لیلیٰ کے وصل کا مدعی ہے مگر لیلیٰ اُن میں سے کسی کے وصال کا اقرار نہیں کرتی۔

آج مَیں اور پیرزادہ شاہ حسن میاں خوشی محمدؒ کی معیّت میں چک ۲۹ کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ مگر گاڑی میں بیٹھتے ہی اس خطۂ پاک کی محبت نے میرے دل میں پھر انگڑائی لی اور میرا دلِ مضطرب جو اس بلدہ مطہر کی زیارت سے اپنے بہت سے ہموم و غموم فراموش کر چکا تھا پھر مچل گیا۔ اچھا اے پاکپتن! خدا حافظ۔ تیرے خطۂ پاک میں جہاں اپنے زمانہ کا سب سے مقدس انسان وارد ہوا تھا آج اس میں اپنے زمانہ کا سب سے گنہگار داخل ہو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگ چکا ہے۔ کاش تیرا روضۂ اطہر اور اس میں آرام کرنے والی رُوحِ پاک خدا تعالیٰ کے حضور اس کی سفارش کرے اور وہ پھر حقِ عبودیت ادا کرنے کے قابل ہو جائے اور پھر اپنی فردوسِ گم گشتہ کو حاصل کر سکے لیکن آہ! ؎

ندی کنارے مَیں کھڑی پانی جھلمل ہو
مَیں مَیلی پیا اُجلے میرا کس بدھ ملنا ہو

جامِ طہور

ہر کسے چوں مہربانی می کند
از زمینے آسمانی می کند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

کاسۂ دعوات

اے خدا قلبِ پریشاں کو نوید عید دے — رہرو راہِ محبت کو متاعِ دید دے
میرے شوقِ آگہی کو مطلعِ انوار کر — میری ہستی کو محیطِ گوہرِ اسرار کر
دوزخِ ہجراں بدل دے جنتِ دیدار میں — دانۂ تسبیح پرو دے رشتۂ زنار میں
انتہائے جستجو دے انتہائے راز دے — تا ابد جو اڑ سکے وہ شہپرِ پرواز دے
مصطفےٰ کا عشق دے میرے دلِ صد چاک کو — احمدیت کا جنوں دے بستۂ فتراک کو
جگمگا دے میری دنیا جلوۂ فاراں سے — لہلہا دے میرا گلشن کوثرِ رضواں سے
میرے ساغر کو ایاغِ بادۂ ایمان کر — میری مشعل کو چراغِ جادۂ عرفان کر
میرے نالوں کو درائے کارواں کا سوز دے — میری آہوں کو فروغِ انجمن افروز دے

کاسۂ دعوات بھر دے دولتِ دیدار سے
اے خدا مجھکو بنا لے زمرۂ ابرار سے (آمین)

مقامِ شفیعُ الوریٰ صلعم

مقامِ شفیعِ الوریٰ اللہ اللہ
خدا خود ہے محوِ ثنا اللہ اللہ

جسے بیکس و بینوا سب نے سمجھا
وہ نکلا شہِ دوسرا اللہ اللہ

ہوا ہے نہ ہوگا زمانے میں پیدا
مشیت کا یہ مدعا اللہ اللہ

خداوندِ عالم ہے مشتاق جس کا
محمدؐ ہے وہ دلربا اللہ اللہ

یہ وہ سحر تھا جس نے برقِ تپاں کو
دیا ذوقِ آبِ بقا اللہ اللہ

ہزار دل ہوئے باخدا پھر بھی سب میں
محمدؐ ہی ہے مصطفیٰ اللہ اللہ

ہوا لِی مع اللہِ وقتٌ سے ظاہر
عروجِ حبیبِ خدا اللہ اللہ

بنامِ محمدؐ ہی آخر ہوئی ہے
غمِ لادوا کی دوا اللہ اللہ

ترے دم قدم سے معطر ہوا ابتک
حریمِ جہاں کی فضا اللہ اللہ

یہی سرفرازی ہو اس خشک و تر میں
کہ مصلح ہے تیرا گدا اللہ اللہ

تمنّائے مِلّت

اُٹھو کھل گئے آسماں کے دریچے
سُنو آگیا وُہ مسیحائے ثانی
وُہ طُور و حرا کی اداؤں کا محرم
وُہ عہدِ محبت کی زندہ نشانی
وُہ عرفانِ یزداں میں ظِلِّ محمّدؐ
وُہ ایمانِ ایزد میں یٰسینِ ثانی
وُہ بُرجِ طریقت کا ماہِ مُنوّر
وُہ دُرجِ حقیقت کا لعلِ یمانی
وُہ چرخِ نبوّت کا مہرِ درخشاں
وُہ فرقِ ولایت کا تاجِ کیانی
وُہ اقوامِ عالم کا موعود رہبر
وُہ اقلیمِ تقویٰ کا صاحبقرانی
وُہ محبوبِ یزداں تمنّائے مِلّت
وُہ شاہِ جہاں احمدِ قادیانی

کون، کون!

دیکھیں سرِ نیاز جھکاتا ہے کون کون
معبودِ کائنات کو پاتا ہے کون کون

افسردگیٔ شوق کے آتشکدے میں پھر
یادِ خدا کی آگ جلاتا ہے کون کون

فاراں سے لپکے جلوۂ یزداں کی روشنی
تیرہ دلوں کو طور بناتا ہے کون کون

انفاسِ عیسویؑ کی بہاروں سے چار سُو
حسنِ ازل کے پھول کھلاتا ہے کون کون

محبوبِ ایزدی کے اشاروں کے سامنے
مثلِ ذبیح سر کو جھکاتا ہے کون کون

ابنائے روزگار کو دیکر پیامِ نو
پھر سے حریمِ ناز میں لاتا ہے کون کون

مُصلحِ خدائے آدمِ ثانی کے سامنے
دیکھیں سرِ نیاز جھکاتا ہے کون کون

دُنیائے فانی

نہ آنسو نہ آہیں نہ سوزِ نہانی
تری زندگی بھی ہے کیا زندگانی

بدل جائیں اب بھی جو اطوار تیرے
یہی لَن ترانی ہے سوفَ ترانی

سلیقہ نہیں تجھکو رونے کا ورنہ
بڑے کام کا ہے یہ آنکھوں کا پانی

بھروسہ نہ کر عالمِ رنگ و بو پر
ڈھلکتی سی چھاؤں ہے دُنیائے فانی

یہ صبحِ بنارس ہے شامِ غریباں
یہ شام اودھ ہے فقط اِک کہانی

کہاں ہے وُہ متھرا کا مہرِ درخشاں
کہاں ہیں وُہ مُرلی کی تانیں سُہانی

کہاں ہیں وُہ راجہ بھرائچ[1] کے چرچے
کہاں ہے وُہ جیتو[2] کی اب راجدھانی

کہاں ہیں وُہ اَجداد وہ اسلاف تیرے
کہاں ہیں وُہ عہدِ گذشتہ کے بانی

نہ کر نازِ عمرِ دوروزہ پہ ناداں
بڑی بے بھروسہ ہے یہ زندگانی

اُٹھا دل کو اِس گُلشنِ ما سوا سے
لگا اُس خُدا سے جو لَو ہے لگانی

---

۱ و ۲ بعض اجداد کے نام۔

احمدی سے

احمدی اُٹھ! ہے لبِ دُنیا پہ جاں تیرے بغیر
قالبِ گیتی ہے بے تاب و تواں تیرے بغیر

چار سُو پھرتے نظر آتے ہیں یزداں ناشناس
اہرمن آباد ہے سارا جہاں تیرے بغیر

خندہ زن ہے ظلمتِ عصیاں خورِ تقدیس پر
نوحہ زن ہے عظمتِ کرّوبیاں تیرے بغیر

رو رہا ہے سر بزانو ہو کے ویرانوں میں دیں
سو رہی ہے قسمتِ اسلامیاں تیرے بغیر

پھیکی پھیکی سی ہے شمعِ سرمدی کی روشنی
سُونی سُونی سی ہے بزمِ لامکاں تیرے بغیر

مُنتظر ہیں مہرِ عالمتاب کی رنگینیاں
مُضطرب ہے آسمانِ ضو فشاں تیرے بغیر

عزائم

ق کی مشعل ہاتھ میں لیکر محفل محفل دیکھیں گے
دہ جادہ رقص کریں گے محمل محمل دیکھیں گے

لاکھ چھپائیں پردوں میں وہ رعنائی کے رازوں کو
عارض عارض کھو جینگے ہم کاکل کاکل دیکھیں گے

ئی بیٹھے یا نہ بیٹھے کشتی اپنی رو میں ہے
یاؤں کو چیرینگے ہم ساحل ساحل دیکھیں گے

آہوں میں پرواز کرینگے گردوں کی پہناؤں تک
الفت کے میداں میں ہر اک مشکل مشکل دیکھیں گے

مرنے کی ٹھان کے ہم بھی طوف کرینگے شعلوں کا
روانوں کے بھیس میں آکر مشعل مشعل دیکھیں گے

چھپنے والے آخر تجھکو پا کے رہینگے دنیا میں
صحرا صحرا چھانیں گے ہم منزل منزل دیکھینگے

جمالِ سرمدی

ملالِ زندگی پر ہے مدارِ زندگی اب بھی
کوئی سمجھے تو ظاہر ہے ہماری بے بسی اب بھی

وہ صحرا جس میں کھویا تھا کبھی نقشِ قدم تیرا
اُسی صحرا میں جویاں ہے جنونِ عاشقی اب بھی

ترے حسنِ ازل نے گرچہ لاکھوں آستاں بدلے
مگر جیسا تھا ویسا ہے خلوصِ بندگی اب بھی

نگاہِ ماعرفنا سے جو دیکھا تو یہی دیکھا
تری جلوہ گری میں ہے ادائے بے رخی اب بھی

کلیم و طور کا قصہ نہیں ہے قصۂ ماضی
کوئی ڈھونڈے تو ملتا ہے سراغِ ایزدی اب بھی

ترے نقشِ گنہ پرور نے ویراں کر دیا جسکو
اُسی ایوانِ دل میں ہے متاعِ زندگی اب بھی

بتوں کو دیکھنے والے خدا تجھ کو نظر بخشے
خلیل اللہ سے خالی نہیں ہے آذری اب بھی

تجھے آتی نہیں منصور کی بادہ کشی ورنہ
بہت کچھ کھلواتی ہے شرابِ بیخودی اب بھی

اگر آنکھوں میں ہو اندازِ مازاغ البصر پیدا
کھُلے منہ جگمگاتا ہے جمالِ سرمدی اب بھی

حقیقت

بہارِ ہستی میں ہم تو جیسے کھلا کئے ہیں کھلا کریں گے
مٹنے والے ہیں اس چمن میں مٹا کئے ہیں مٹا کریں گے

وہ اور ہونگے جو سیلِ دریا میں ڈوب مرنے کی ٹھان بیٹھے
ہم ایسی موجوں کی کشمکش میں بڑھا کئے ہیں بڑھا کرینگے

ہزار شعلے کرے فراہم یہ دہر برق و شرار بن کر
ہمارے اشکوں سے جو بھی اُلجھے بُجھا کئے ہیں بُجھا کرینگے

ہمیں زمانے میں کیا ڈرائینگی خارزاروں کی تیز نوکیں
ہم ایسی راہوں پہ مُسکرا کر چلا کئے ہیں چلا کریں گے

عدو جو چاہے تو آزما لے یہ دل پڑا ہی یہ جاں پڑی ہے
ہم فنا کا شکار ہو کر جیا کئے ہیں جیا کرینگے

ازل سے اہلِ جنوں کی باتیں اگرچہ مصلحت ہیں بارِ محفل
مگر جو دل میں کھٹک رہی ہے کہا کئے ہیں کہا کریں گے

کیفِ ماضی

محفلِ ہستی میں پھر جوشِ لقا پیدا ہوا
پھر دلِ مضطر میں کیفِ ماضی پیدا ہوا

پھر الستِ ناز کے نغموں سے جاگی کائنات
پھر حریمِ شوق میں شورِ بلیٰ پیدا ہوا

پھر کوئی منزلگہِ مقصود سے آئی صدا
پھر کسی بھٹکے ہوئے کا آسرا پیدا ہوا

پھر سرشکِ لالہ گوں سے معذرت کی حسن نے
پھر نگاہِ بے رخی میں اعتنا پیدا ہوا

پھر محبت کے جنوں خانے سے اٹھے ولولے
پھر دلِ وحشی میں جوشِ التجا پیدا ہوا

پھر کسی کے حسنِ محشر خیز سے اٹھی نقاب
پھر حریمِ جاں میں شورِ مرحبا پیدا ہوا

جامِ نوشیں

نیا آسماں ہے نئی اب زمیں ہے — یہ دُنیا وہ پہلی سی دُنیا نہیں ہے
دمشقِ ضلالت کی تاریکیوں میں — منارۂ مہدی ضیا گستریں ہے
ز ہے طالعِ بزمِ ابنائے فارس — جہاں ربِّ کون و مکاں جاگزیں ہے
خوشا خاتمِ حلقۂ احمدیت — جَڑا جس میں فضلِ عمر سا نگیں ہے
باسمِ تبارک وہ ہے جامِ نوشیں — بربِّ جہاں وہ خُمِ انگبیں ہے
وہ تقویمِ احسن ہے کون و مکاں میں — وہ طٰہٰ لقا ہے مسیحا جبیں ہے
مبارک ہو مُرغِ نوا سنجِ صحرا — وہ طُوبائے فردوسِ عرشِ بریں ہے
غلامانِ محمود کے دم قدم سے — بیابانِ ملت بہار آفریں ہے

نگاہِ نوازش اِدھر بھی ہو آقا
دُعاؤں کا طالب یہ گوشہ نشیں ہے

مجلسِ عرفان

بہبودِ ہست و بہبود کا ساماں لئے ہوئے
سارے جہاں کے درد کا درماں لئے ہوئے
عشقِ جگر گداز کی بیتابیوں کے ساتھ
حسنِ کرشمہ ساز کا طوفاں لئے ہوئے
زھد و ورع کے ہاتھ سے تھامے ہوئے عناں
رخشِ جہاں کو جانبِ ایماں لئے ہوئے
سوز و گدازِ عشق کی زرّیں کتاب میں
بابِ وصالِ حضرتِ سُبحاں لئے ہوئے
توراتِ دلفریبیٔ تقویٰ کے ماسوا
انجیلِ دلنوازیٔ رضواں لئے ہوئے
کشتِ نخیلِ مہدیٔ دوراں کے واسطے
ابرِ مطیرِ رحمتِ یزداں لئے ہوئے
بزمِ جہاں میں ملّتِ احمدؐ کا تاجدار
جلوہ نما ہے دولتِ قرآں لئے ہوئے
مُصلِحؔ درِ وصال ہے مدّت سے وا ہُوا
اُٹھ تو بھی چل متاعِ دل و جاں لئے ہوئے

قادیان کا خطاب لاہور سے

بتا بزمِ جانانہ تُو ہے کہ مَیں ہُوں
محبت کا خمخانہ تُو ہے کہ مَیں ہُوں

پراگندہ دِل تُو۔ مَیں تمکینِ وحدت
خلافت سے بیگانہ تُو ہے کہ مَیں ہُوں

فروزاں ہیں دیں سے تُو دیں سے گریزاں
خورِ ثستانِ فارانہ تُو ہے کہ مَیں ہُوں

لبالب ہیں ہردم، تہی تیرا ساغر
بتا ننگِ میخانہ تُو ہے کہ مَیں ہُوں

تُو کاخِ منافق ہیں مومن کا مأمن
سرائے دو عنوانہ تُو ہے کہ مَیں ہُوں

مکیں مجھ میں یُوسف زلیخائی تجھ میں
چمن زارِ کنعانہ تُو ہے کہ مَیں ہُوں

مَیں مشکوئے مہدی تُو اعدا کا مسکن
حریمِ حجازانہ تُو ہے کہ مَیں ہُوں

خُدا لگتی لاہور کہنا خُدا را
محمدؐ کا دِیوانہ تُو ہے کہ مَیں ہُوں

ناصح کے نام

محبت کی دھونی رماؤ تو جانیں
وفا کے الاؤ جلاؤ تو جانیں

بڑے پارسا ہو بڑے پاک باطن
کوئی اک کرشمہ دکھاؤ تو جانیں

زباں سے تو کہہ دو گے تم بھی اناالحق
سرِ دار چڑھ کر بتاؤ تو جانیں

خفی و جلی کے نظارے تو دیکھے
فنا و بقا کی سناؤ تو جانیں

بہ ایں آہ و زاری بہ ایں سجدہ ریزی
خدا سے خدا کو لبھاؤ تو جانیں

بناوٹ کا رونا تو روتی ہے دنیا
جو سچ مچ کے آنسو بہاؤ تو جانیں

وہیں سے سناتے ہو حرمت کی باتیں
ذرا میکدے میں در آؤ تو جانیں

وہ صدمے جو دل نے اٹھائے ہیں برسوں
کبھی اپنے دل پر اٹھاؤ تو جانیں

یونہی طعن کرنے سے کیا ہوگا مصلحؔ
کسی کے بنو اور نبھاؤ تو جانیں

شرابِ ارغوانی

شاعروں کی نکتہ دانی اور ہے
بیدلوں کی نوحہ خوانی اور ہے

برق و باراں میں کہاں یہ آب و تاب
اشک و آہ میں آگ پانی اور ہے

مُسکرانے سے کہاں چلتے ہیں کام
بندہ پرور! مہربانی اور ہے!

خواہشِ طُوبےٰ نہ شوقِ سلسبیل
تیرے دیوانوں نے ٹھانی اور ہے

اِک جھلک سے اُڑ گئے مُوسیٰؑ کے ہوش
یہ ثبوتِ لَن ترانی اور ہے

بے سبب اُلجھا کئے دیر و حرم
وہ حبیبِ لامکانی اور ہے

پی بھی لے اے مصلحِ خانہ خراب
یہ شرابِ ارغوانی اور ہے!

بے ثباتیٔ دنیا

گلشن کی بہاریں جھوٹی ہیں پھولوں کے نظارے جھوٹے ہیں
بلبل کی صدائیں دو دن ہیں آہوں کے شرارے جھوٹے ہیں

دنیا میں جو میلے لگتے ہیں اک روز اجڑ کر رہتے ہیں
خوشیوں کا بھروسہ کیونکر ہو خوشیوں کے سہارے جھوٹے ہیں

دریا کے سوا بھی اٹھتے ہیں طوفان ہزاروں دنیا میں
تو جنکو کنارے سمجھا ہے ناداں وہ کنارے جھوٹے ہیں

دم بھر کا اجالا دیکھ کے تو انجام سے غافل ہو بیٹھا
اتنا بھی نہ سوچا گردوں میں قسمت کے ستارے جھوٹے ہیں

دنیا نے بنائی کس سے ہے جو تم سے بنا کر رکھے گی!
یہ آس تمہاری جھوٹی ہے یہ سانس تمہارے جھوٹے ہیں

یہ جام جوانی آج نہیں تو کل کو چھلکنے والا ہے
اس جہاں کے بل بوتے پر مصطفےٰ یہ طرار جھوٹے ہیں

اشکِ ندامت

ے صبحِ گلستاں رہنے دے اے شامِ گلستاں رہنے دے
پھول مجھے درکار نہیں اے فصلِ بہاراں رہنے دے

وہ نور کہ جسکی کرنوں سے اُلفت کی فضائیں روشن تھیں
وہ نور نہیں ان کرنوں میں اے مہرِ درخشاں رہنے دے

ستی کے سہانے وقتوں کا جب لوٹ کے آنا مشکل ہے
کیا حاصل اِس گردش سے اے گردشِ دوراں رہنے دے

جلنا ہی مرا مقسوم سہی مٹنا ہی مرا انجام سہی
کچھ دیر تو اپنی محفل میں اے جلوۂ جاناں رہنے دے

شاید کہ اِسی سے محشر میں مصلحے کا مداوا ہو جائے
اِک اشکِ ندامت پلکوں میں اے دیدۂ گریاں رہنے دے

خورشیدِ لقا

کون جانے کہ غمِ دل کی دوا ہے کہ نہیں
میری آہوں میں کوئی آہِ رسا ہے کہ نہیں

جسکے اک قطرے سے جی اُٹھتے ہیں مرنیوالے
ساغرِ شوق میں وُہ آبِ بقا ہے کہ نہیں

ماندۂ راہ کو لے آئے جو منزل کی طرف
میرے مقسوم میں وُہ بانگِ درا ہے کہ نہیں

عرش بھی جسکی حرارت سے پگھل جاتا ہے
آتشِ عشق میں وُہ سوزِ دُعا ہے کہ نہیں

جس سے وابستہ ہے معمورۂ اُلفت کی سحر
میری قسمت میں وُہ خورشیدِ لقا ہے کہ نہیں

مغفرت جس کیلئے دیدہ براہ ہو مُصلحِ
میرے عملوں میں کوئی ایسی خطا ہے کہ نہیں

فُرقت کے جھمیلے

آہوں سے تقاضا کر بیٹھے نالوں سے تمنّا کر بیٹھے
جب دیکھ نہ پایا جلوؤں کو ہم عشق کو رُسوا کر بیٹھے

چھُپنا تھا اگر یُوں پردوں میں اے حُسنِ ازل کی رعنائی
کس بات پہ نحنُ اَقرَب کا تم دہر میں چرچا کر بیٹھے

ایسے میں اگر تم آجاتے پھُولوں کا بھرم تو کھُل جاتا
معلوم نہیں کس برتے پر یہ حُسن کا دعویٰ کر بیٹھے

لو دیکھ لو تم بھی دُنیا میں فُرقت کے جھمیلے کیسے ہیں
جینے کی تمنّا چھوڑ کے ہم، مرنے کا تہیّا کر بیٹھے

جس ڈال میں دیکھا بجلی ہے، جس پات میں دیکھا شعلے ہیں
معلوم نہیں کیوں گلشن میں ہم آ کے بسیرا کر بیٹھے!

بے پناہی

نہ دعویٰ شاہی کا مجھکو نہ کجکلاہی کا
نہ مسجدی کا سلیقہ نہ خانقاہی کا

گلیمِ بختِ سیہ پوش ہوں زمانے میں
زباں زباں پہ ہے چرچا مری تباہی کا

نہ ہمسفر ہی کوئی ساتھ ہے نہ زادِ سفر
خدا ہی والی ہے راہِ عدم کے راہی کا

شبِ سیاہ سفینہ شکستہ بحرِ گناہ
کنارہ دور، یہ منظر ہے بے پناہی کا

اٹھا اٹھا مرے فضلِ عمر نگاہِ کرم
سہارا مصلحؔ کو بس ہے تری دعا ہی کا

نہالِ عاشقی

چشمِ تر نے کچھ ہماری غمگساری کی تو ہے
دردِ دل نے کچھ دوائے بیقراری کی تو ہے

نافۂ اُمید سے آتی ہے بوئے خوشگوار
دشتِ فرقت میں کسی نے مشکباری کی تو ہے

گردشیں بھولی تو ہیں اپنا وہ اندازِ کہن
آسماں نے دل جلوں کی غمگساری کی تو ہے

زخمِ پنہاں منّتِ محبوب سے ہے مندمل
سوزنِ قسمت نے دل کی بخیہ کاری کی تو ہے

دیدہ و دل ہیں سرورِ سرمدی سے فیضیاب
جلوۂ حُسنِ ازل نے سحر کاری کی تو ہے

دیکھئے پھلتا ہے کیونکر اب نہالِ عاشقی
پھر کسی نے آرزو کی آبیاری کی تو ہے

رُوئے نیاز

دِل مچل کر رہ گیا حُسنِ گُلستاں دیکھکر
یاد آیا پھر کوئی جشنِ بہاراں دیکھکر

مُنحصر ہے اِک نظر پہ جان و دِل کا فیصلہ
کون کرتا ہے محبّت عہد و پیماں دیکھکر

جب کبھی آتا ہے دِل میں اُن کے آنیکا خیال
ڈبڈبا جاتی ہیں آنکھیں گھر کا ساماں دیکھکر

دِل میں کیا کیا ولولے تھے اشتیاقِ دِید کے
جان لیتے کاش وہ نالوں کا عُنواں دیکھکر

یُوں تو گُلشن میں گُل و لالہ کی صُحبت ہے نصیب
دَم نکل جاتا ہے لیکن برق و باراں دیکھکر

جانے کِس قبلے کی جانب پھر گیا رُوئے نیاز
خود چلا آتا ہے کعبہ جذبِ ایماں دیکھکر

مُصلحِ شیدا نے کِس کو دیکھ پایا ہی یہاں
پھیر بیٹھا ہے جو نظریں بزمِ اِمکاں دیکھکر

قادیان کی یاد

لوحِ وفا سے تجھ کو مٹایا نہیں ہنوز
اِس دل میں کوئی اور بسایا نہیں ہنوز

سجدہ کناں ہے اب بھی ترے غم میں زندگی
ہم نے سرِ نیاز اُٹھایا نہیں ہنوز

چلتی ہیں صبح و شام حوادث کی آندھیاں
لیکن چراغِ شوق بجھایا نہیں ہنوز

اب بھی شبِ فراق وہی ہے شبِ فراق
سویا ہُوا نصیب جگایا نہیں ہنوز

آہوں سے کر رہے ہیں مداراتِ زندگی
یعنی رُبابِ عیش بجایا نہیں ہنوز

آنکھوں میں اب بھی ہے ترا نظارۂ جمال
اے قادیان تجھکو بھلایا نہیں ہنوز

نوائے بے نوا

یہ ثبوتِ بے نیازی تجھے کیوں ہُوا گوارا
کہ فلک سے توڑ پھینکا میری زندگی کا تارا

تیرے فیض کی بدولت ہوئے شاد کام لاکھوں
کبھی اے بہارِ ہستی کوئی اس طرف اشارا

تجھے ناپسند ہے تو میری آرزو بدل دے
ابھی ہو اُسی روش پر میرے آنسوؤں کا دھارا

نہ فلک سے کچھ شکایت نہ گلہ تری جفا سے
مجھے خواہشوں نے لُوٹا مجھے زندگی نے مارا

نہ ہلا کوئی ٹھکانا میری بیقراریوں کو
کہیں رو کے رات کاٹی کہیں رو کے دن گذارا

بڑے دکھ بھرے ہیں جاناں میری زندگی کے لمحے
کبھی ہو سکے تو سُننا میری داستاں خُدارا

نہ بدل سکی اگرچہ تیری خُوئے لَن ترانی
میرے آنسوؤں نے پھر بھی تجھے بارہا پکارا

میری نیستی کا عالم تیرے کُن کا منتظر ہے
میرے مہرباں دکھا دے فیکون کا نظارا

دردِ عشق

میں سمجھوں گا مرا اوجِ مقدر آسماں تک ہے
اگر آہ و فغاں میری تمہارے آستاں تک ہے

کسی کی چشمِ میگوں کا مزہ اُنکی بلا جانے
ہمارے میکشوں کی میکشی رطلِ گراں تک ہے

وہ کیا جانے حریمِ عرش کے جلووں کی تابانی
طوافِ آرزو جسکا بتوں کے آستاں تک ہے

کہیں طوفاں کہیں شورِ قیامت بن کے اُٹھتا ہے
میں سمجھا تھا کہ دردِ عشق چشمِ خونفشاں تک ہے

نہ سمجھو تم تو یہ کون و مکاں ہے اک معمّہ سا
اگر سمجھو تو یہ رونق اُسی جانِ جہاں تک ہے

میں ہمدم لفظِ آزادی کے معنی یہ سمجھتا ہوں
کہ بلبل ہی نہیں قیدِ قفس میں آشیاں تک ہے

شبِ فرقت کا رونا ہے مری قسمت میں اے مُصلحؔ
فغاں میری سحر تک ہے سحر میری فغاں تک ہے

چراغِ مزار

تجھے جو گلشنِ عہدِ بہار کہتے ہیں
ہمیں بھی لوگ ترا جانثار کہتے ہیں

یہ اور بات ہے اُن کو نہ اعتبار آئے
جو بات کہتے ہیں ہم ایکبار کہتے ہیں

وہ پی چکا ہوں کہ ابتک سرور باقی ہے
میں کیا بتاؤں کہ کس کو خمار کہتے ہیں

ترے فراق میں سب سے بڑی مصیبت ہے
وہ مرحلہ کہ جسے انتظار کہتے ہیں

ہماری محفلِ حسرت کی جس سے رونق تھی
وہ بجھ گیا ہے چراغِ مزار کہتے ہیں

بساطِ ناز پہ سب کچھ نہیں جو کھو دیتا
ہم اہلِ شوق اسے بد قمار کہتے ہیں

شبِ فراق کی آہیں اُسے مبارک ہوں
ہوا ہے مُضطرِ بے بھی سینہ فگار کہتے ہیں

تنکوں کا آشیاں

دلِ حزیں کے تقاضوں کو داستاں نہ سمجھ
شبِ فراق کے نالوں کو رائیگاں نہ سمجھ

بڑے فریب ہیں اِس بیوفا کی باتوں میں
جو مہرباں ہے زمانہ تو مہرباں نہ سمجھ

نہالِ عمر میں اِک بار پھول آتے ہیں
بہارِ عہدِ جوانی کو جاوداں نہ سمجھ

حُدی تو لاکھوں ہی گاتے ہیں کاروانوں میں
ہر اِک کو ناقۂ لیلیٰ کا ساربان نہ سمجھ

بھروسہ چھوڑ دے دو دِن کی زندگانی کا
تو پائیدار یہ تنکوں کا آشیاں نہ سمجھ

اِسی خودی کے جہنم سے ہے عزازیلی
حریمِ نفس کو سجدوں کا آستاں نہ سمجھ

یادِ رفتگان

کچھ ستارے آسماں پر جھلملا کر رہ گئے

کچھ زمیں پر جگمگائے جگمگا کر رہ گئے

منزلِ عُقبیٰ بھی کیا منزل ہے جسکے شوق میں

جو بھی آئے اس جہاں میں جاں سے جا کر رہ گئے

جذبۂ صبر و تحمّل تھا کہ خوفِ معصیت

سینکڑوں شکوے زباں تک آئے آ کر رہ گئے

کس کی میت کو دبا کر چل دئے ہیں اقرباء

دیکھنے والے کلیجے کو دبا کر رہ گئے

دیدۂ حسرت سے مصلحِ اس نشیمن کو نہ دیکھ

وُہ چمن بھی ہیں یہاں جو مٹ مٹا کر رہ گئے

مولانا درد رضی اللہ عنہ

شعلہ فشاں ہیں درد سے نغمے بہار کے
کیا کیا ستم ہیں گردشِ لیل و نہار کے

کیا تھک گئے تھے گردشِ دوراں سے اس قدر
تربت میں سو گئے ہو جو ہم کو بسار کے

اے درد اہلِ درد سے تو منہ نہ یوں چھپا
اٹھ دیکھ اشک دیدۂ خونابہ بار کے

مانا کہ بزمِ خلد ہے بیکل ترے لئے
پونچھے گا کون اشک کسی دلفگار کے

ایسے کہاں تھے دہر میں تم زاویہ پسند
آکر جو چھپ بیٹھے ہو گوشے مزار کے

آقا حضور کس کو بلائینگے یہ تو سوچ
لاکھوں سہی غلام ترے تاجدار کے

وہ حال کر گئی ہے تری مرگِ ناگہاں
آنسو ٹپک رہے ہیں غمِ روزگار کے

ہو درد صبحِ خلد کی راحت تجھے نصیب
آئینگے ہم بھی شامِ غریباں گذار کے

درد و داغ

ایسے بھی حوادث پیش ہمیں اے جانِ جہاں سو بار آئے
دریا کے کنارے ڈوب گئے اُس پار سے جب اِس پار آئے

اِس باغِ جہاں کا حال ہمیں کچھ اِس کے سوا معلوم نہیں
کانٹوں سے کسی نے گل توڑے پھولوں میں کسی کو خار آئے

اے جانِ مسیحا تو ہی بتا تسکین کی صورت کیا ہوگی
پھر ہوش نہ اپنے کھو بیٹھے جب ہوش میں یہ بیمار آئے

یہ بزمِ جنوں یہ دیدہ و دل مدت سے ہیں سونے سونے سے
اے کاش ہماری جانب بھی وُہ جانِ جہاں اکبار آئے

اے ساقیٔ کوثر اُن پر بھی اِک نظرِ کرم جو دنیا میں
میخوار مرے میخوار جیئے میخوار رہے میخوار آئے

مصلح کی نصیحت ٹھیک سہی لیکن یہ اسے معلوم نہیں
اُس بزمِ حسیں میں دل ہی نہیں ہم جان بھی اپنی ہار آئے

عرضِ حال

نگاہِ نوازش اِدھر بھی اُٹھانا
جِلانا یہ مُردہ مسیحا جِلانا

درِ میکدہ پر کھڑا ہے بھکاری
اِسے بھی شرابِ محبت پلانا

مَیں قربان تیرے مَیں تجھ پر تصدق
اُٹھانا حجابِ دوعالم اُٹھانا

لُٹا دی یُونہی زندگانی لُٹا دی
نہ سوچا نہ سمجھا نہ دیکھا نہ جانا

شبِ تار، بحرِ گنہ، دُور ساحل
مَیں ڈُوبا مَیں ڈُوبا خدارا بچانا

ظَلَمتُ ظَلَمتُ وکُنتُ ظلوماً
اَغِثنی اغِثنی اَیا مَن ھدانا

دُہائی خداوندِ عالم دُہائی
بچانا خداوندِ عالم بچانا

لاتقنطوا

زندگانی امتیازِ ما و تو
یہ جہاں ہنگامہ ہائے اِلّا ھُو

تو سراپا لطف و احسان و کرم
مَیں سراپا ذوق و شوق و آرزو

ہو گئیں اُسکی دُعائیں مُستجاب
چشمِ گریاں سے کیا جس نے وضو

چار سُو جلوہ نما ہے دلستاں
دل اگر سجدہ کناں ہے قبلہ رُو

نفسِ دُوں کا بُت اگر ٹوٹا نہیں
غزنویت ہے فریبِ ما و تو

دردمندوں کے یہی دو کام ہیں
ایک گریہ ایک تیری جُستجو

پالیا سب کچھ نگاہِ ناز میں
میکشوں نے توڑ کر جام و سبو

لاعلاجِ معصیت کے واسطے
کارگر ہے نسخۂ لاتقنطوا

نُورِ سحر

چل گذر راہِ فنا سے بے خطر ہونے کے بعد
معرکے ہوتے ہیں سر سینہ سپر ہونے کے بعد

کیا ہُوا دَریا میں مَوجیں گر قیامت خیز ہیں
پار لگتے ہیں سفینے شور و شر ہونے کے بعد

گریۂ پیہم سے ہوتی ہے رَسائی وصل تک
رنگ لاتی ہے وفا آشفتہ سر ہونے کے بعد

جگمگا دے جلوۂ توحید سے دشت و جبَل
سرنگوں بیٹھا ہے کیا شمس و قمر ہونے کے بعد

اُٹھ گلستانِ جہاں میں زمزمہ پرداز ہو
خوابِ غفلت تا بکے نُورِ سحر ہونے کے بعد

جوگ لینا یا اُداسا کھینچنا آساں نہیں
آتا ہے دُھونی رمانا در بدر ہونے کے بعد

خاک سے کمتر سہی لیکن اے مصلحؔ کیا عجب
کیمیا بن جاؤں مَیں اُنکی نظر ہونے کے بعد

زندگی

پختہ تر ہے دردِ پنہاں سے بنائے زندگی
لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُو ہے منتہائے زندگی

کربلا کے خونِ ناحق سے ہوا یہ آشکار
موت بھی ہوتی ہے دنیا میں بجائے زندگی

کس کا نوحہ کس کا ماتم اے حقیقت ناشناس
زندگی ہی زندگی ہے ماورائے زندگی

خیر و شر کے سب مراحل ہیں اسی میں مستتر
گاہ خندہ گاہ گریہ ہے جزائے زندگی

مقتلِ عشق و وفا ہے چشمۂ آبِ بقا
ابتلائے زندگی ہے اصطفائے زندگی

جذبۂ صبر و تحمل چاہیئے اے بیخبر
مشکلوں کے ساتھ ہے مشکلکشائے زندگی

یہ سما یہ مہر و ماہ و کہکشاں کیا چیز ہیں
عرش تک پہنچا ہے مُصَلِّے مصطفائے زندگی

غمِ عشق

وہی درد ہے شاملِ زیست ابھی دمِ زیست جو ہم سے جدا نہ ہوا
رہے شام و سحر وُہی شام و سحر کوئی کام بھی غم کے سوا نہ ہوا

یہ چمن یہ نہال یہ سبزہ و گل سبھی پھولتے پھلتے رہے ہیں سدا
مرا غنچۂ دل ہے وُہ غنچۂ دل کہ شگفتہ اسے بادِ صبا نہ ہوا

کروں شکوۂ ہجر تو کس سے کروں رہِ شوق ہیں جبکہ لئے چارہ گرو
مَیں مٹا بھی تو خود کو مٹا نہ سکا وہ ہوا بھی تو جلوہ نما نہ ہوا

کبھی ذکرِ جناں کبھی فکرِ جہاں کبھی اِس کی لگن کبھی اُس کی لگن
رہا اپنے ہی کام سے کام مجھے کوئی فرض بھی اُس کا ادا نہ ہوا

وُہی روحِ ازل وُہی جانِ جہاں، میرے حال پہ رحم کرے تو کرے
کوئی کام زمانے میں ایسا نہیں کہ خطا سے جو میری خطا نہ ہوا

غمِ عشق کا رونا ہے رونا یہی کوئی دہر میں اپنا اے مصلح نہیں
یہی اشک جو مونسِ دل تھا کبھی یہ بھی آتشِ دل کی دوا نہ ہوا

جانِ عالم

وہ جانِ عالم نہاں بھی ہو کر نگاہِ دل سے نہاں نہیں ہے
قدم قدم پر عیاں ہے لیکن قدم قدم پر عیاں نہیں ہے

وُہی ہے اوّل وُہی ہے آخر وُہی ہے ظاہر وُہی ہے باطن
کوئی بھی ہستی نہیں ہے ایسی وہ جسکی رُوحِ رواں نہیں ہے

یہ اپنی اپنی نظر ہے ورنہ اِسی زماں میں اِسی مکاں میں
کئی ہیں ایسے بھی طُور جن کا کسی کو وہم و گماں نہیں ہے

نہ سرفرازی سے کوئی مطلب نہ سرفروشی سے کوئی خطرہ
رہِ محبّت کے رہرووں کو خیالِ سُود و زیاں نہیں ہے

کبھی ستانا کبھی رُلانا کبھی کسی کا لہُو بہانا
ذرا تو سوچو اے پیچرہ دستو کہ کیا غریبوں میں جاں نہیں ہے

یہ کس نے تمکو بتا دیا ہے کہ اِس ستم کی سزا نہ ہوگی
زمیں یہ اب وُہ زمیں نہیں ہے کہ آسماں آسماں نہیں ہے

تمنّائے مرحُوم

جب سکونِ دل میسّر تھا فضائے دہر میں
یہ توقع تھی کہ بزمِ عشق کو گرماؤں گا،

رہروِ الفت کو دُونگا مُژدۂ انّی قریب
گیسوئے لیلیٰ کو دوشِ قیس پر لہراؤں گا

بازوئے حیدر سے لُونگا قوّتِ خیبر شکن
ماسوا کو ماسوا کے خوف سے دہلاؤں گا

گلشنِ ہستی کو دُونگا مُژدۂ فصلِ بہار
فرش پر عرشِ بریں کے نُور کو برساؤں گا

آہ تربت میں لئے جاتا ہوں اَب وُہ آرزُو
چار سُو کرتا رہا جس کیلئے مَیں جستجُو!

خورشیدِ زماں

چارۂ دردِ نہاں راحتِ جاں آئیگا
غیرتِ لالہ رخاں رشکِ بتاں آئیگا

ظلمتِ ہجر میں قندیلِ سکوں جھلکے گی
کلبۂ حزن میں فانوسِ اماں آئیگا

نسخۂ دید سے پھر نبضِ جنوں سنبھلے گی
حجلۂ حسن سے درمانِ فغاں آئیگا

مرقدِ یاس سے امیدِ بقا اٹھے گی
قالبِ سرد میں آسائشِ جاں آئیگا

غرفۂ ناز سے انوارِ سحر پھوٹیں گے
خاورِ عیش سے خورشیدِ زماں آئیگا

عالمِ وجد میں لہرائیگی مصلحِ دنیا
پردۂ غیب سے وہ رقص کناں آئیگا

درمانی توئی[1]

پرتوِ خورشیدِ فارانی توئی | مہبطِ انوارِ یزدانی توئی
سالکاں را از پئے دیوِ لعیں | ہیکلِ نقشِ سُلیمانی توئی
از تو حاصل شد خلافت را فروغ | ثانی اث گفتیم و لاثانی توئی
از تو حُسنِ معرفت شد آشکار | کاشفِ اسرارِ قرآنی توئی
نخلِ ایماں از تو یابد برگ و بار | تو بہارِ باغِ سُلمانی توئی
حُسن و احسانت نہ دارد نظیر | روکشِ مہرِ درخشانی توئی
چہ کُنم وصفِ تو اے جانِ جہاں | لاجرم محبوبِ سُبحانی توئی

مرہمِ دل از کجا آرم بدشت
زخمم می گوید کہ درمانی توئی

---

[1] در مدحِ سیّدنا محمُود ایدہُ اللہ الودود گفتہ است۔

حضرت اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا

رَضِینَا بِالْقَضَاءِ وَمَا لَقِینَا ... وَلَوْ صَرَفَتْ صُرُوفُ الدَّهْرِ فِینَا

وَاِنْ یَأْتِ الزَّمَانُ بِکُلِّ خَیْرٍ ... فَلَا یَأْتِی بِاُمِّ الْمُؤْمِنِینَا

فَکُلُّ الْقَوْمِ بِالْاَحْزَانِ صَرْعٰی ... فَیَا لَلْحُزْنِ لَمْ یَتْرُکْ مُعِینَا

وَنَشْکُو بَثَّنَا فِی کُلِّ حِینٍ ... اِلٰی رَبٍّ کَرِیمٍ مَا بَقِینَا

فَیَا لَیْتَ الزَّمَانَ بِنَا یُوَاسِی ... وَیَقْضِینَ بِحُسْنِ الْاَمْرِ لِینَا

وَتَرْجُلُ فِی مَجَالِ الْعُمْرِ هُونًا ... وَرَکْبُ الْمَوْتِ عَنْ قُرْبٍ یَلِینَا

وَنَرْجُو الدَّهْرَ فِی الْاَعْمَارِ طَوْرًا ... وَسَهْمُ الْمَوْتِ یَفْجَأُ مَنْ هَوِینَا

تَذَکَّرْ هَادِمَ اللَّذَّاتِ تَتْرًا ... اِلٰی مَا تَشْتَهِی تَمْرًا وَتِینَا

فَیَا لَیْتَ الْخُلُودَ لَنَا بِأَرْضٍ

مَضَتْ مِنْ عُمْرِنَا فِینَا سِنِینًا ... سِنُونَا

ایضاً

فُجِعَتْ عَشَائِرُ نَا بِطَعْنِ حَيَاتِهَا ضَنِكَتْ مَعِيْشَتُنَا بِحُزْنِ حِمَامِهَا

خُتِمَتْ بِهَا وَبِشَأْنِهَا كُلُّ مِدْحَةٍ حَسُنَتْ جَمِيْعُ خِصَالِهَا وَصِفَاتِهَا

وَكَفٰى لِأُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ سِيَادَةً أَنْ كَانَ خَيْرُ الْخَلْقِ مُنْبِتَ ذَاتِهَا

لَوْلَا الْعِيَاذُ بِرَبِّنَا مُتَكَفِّلٌ ضُرِبَتْ عَلَيْنَا حَوَادِثٌ بِوَفَاتِهَا

يَا لَيْتَ يُمْكِثُهَا الزَّمَانُ بِنَا مَعًا هِيَ مَلْجَأٌ لِعُرَاتِهَا وَحُفَاتِهَا

فَمَنِ الَّذِيْ حَازَ الْعَوَارِفَ مِثْلَهَا لِلّٰهِ دَرُّ خَدِيْجَةٍ وَهِدَاتِهَا

أَسَفًا عَلَى الْأَعْصَارِ هَبَّ بِرَوْضَةٍ جَنَحَتْ إِلٰى قُطُوْفِهَا بِصَلَاتِهَا

نَدْعُوْ سَلَامَةَ أَهْلِهَا بِكَرَامَةٍ لَا رَيْبَ أَنَّ مَسِيْلَهَا بِفُرَاتِهَا

يَا رَبِّ صَلِّ عَلٰى عَشَائِرِ أُمِّنَا
فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا وَبَعْدَ مَمَاتِهَا

گُرمالا

مایا کے ہیں تینوں نام — تُلسو۔ تُلسا۔ تُلسی رام
لو بھی جگ کی ریت نرالی — کھوٹا سودا کھوٹے دام
ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا — ہاتھ نہ پہنچے کھٹے آم
جس کا کام اُسی کو ساجے — راج مُکٹ کو جانے رام
اپنا بوجھ اپنے کاندھے — پاپ نگر میں کیا بسرام
رن کی جیت نہ جیت کہائے — مَن جو مارے سو بلرام
نیند نہ پُوچھے کھاٹ کھٹولا — پیت نہ دیکھے رادھا شام
گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے — من کے ہاتھوں ہم بدنام
جس تن لاگے سو تن جانے — تم کیا جانو یہ کہرام
لیکھ لکھت نہ میٹے کوئی — بن بن چھانیں سیتا رام
کیسے کیسے دُکھڑے دیکھے — دُنیا تجھ کو سات سلام

مصلح کو اب یاد کریں کیا
پاپی دُکھیا کس کے کام

دیس پیا

میں دیس پیا سے دور ہوئی کوئی دیس پیا کے لے جائے
لے سیس مری دکھیارن کی اور دید پیا کی دے جائے

یا کہہ دے اتنا ساجن سے اک درد بھری بن باسن ہے
تیرے نام کو لے لے روتی ہے وہ دکھیا ہے اور پاپن ہے

سکھ چین گیا من ریت گیا غمگین بھکارن پھرتی ہے
تیرا ہاتھ سنبھالے سنبھلے گی کبھی اٹھتی ہے کبھی گرتی ہے

دن رات تمہاری آس میں ہے دکھ درد مصیبت سہتی ہے
جب ہوک سی دل میں اٹھتی ہے بے حال اداسن کہتی ہے

میں ڈوبی پاپ کے ساگر میں لو پکڑ لیو بالم باہوں کو
اک نیا دہر میں تیری ہے تو سن لے ساجن آہوں کو

یہ رات بڑی اندھیاری ہے اور یاس کا ہر سو گھیرا ہے
میں راہ سے بھولی بھٹکی ہوں اور دور بسیرا تیرا ہے

دکھ درد کے بادل چھائے ہیں آلام کی برکھا برسے ہے
تو لے چل اپنی نگری کو تیرے مکھ کو منوا ترسے ہے

جو دیس میں تیرا راج رہے ہر آن میں اللہ والی ہو
میں تیرے باغ کی ڈالی ہوں تم میرے باغ کے مالی ہو

یہ دیکھ لے میری آہیں ہیں یہ سن لے میرے نالے ہیں
اس چڑیا رین بسیرے میں کیا بیکل فرقت والے ہیں

فراقِ قادیان

قلبِ حزیں کا کام ہے آہ و فغاں حمید[۱]
سینے میں جب سے ہے غمِ دارالاماں حمید

کس سے کریں شکایتِ چرخِ ستم شعار
سُنتا ہے کون نالۂ دردِ نہاں حمید

غارت ہُوا زمانے کے ہاتھوں سے وُہ چمن
باندھا گیا تھا جسمیں کبھی آشیاں حمید

روندی گئی وُہ شومیٔ قسمت سے سرزمیں
جس کا اِک ایک گوشہ تھا باغِ جناں حمید

ہر اک نہالِ باغ ہے ماتم میں سوگوار
ایسی چلی ہے دہر میں بادِ خزاں حمید

دارالاماں کے ہجر میں روتا ہوں رات دن
چشمِ الم سے ہے چشمۂ خونِ رواں حمید

رہ رہ کے یاد آتا ہے وُہ آستانِ پاک
سویا ہوُا ہے مہدیٔ دوراں جہاں حمید

اقصیٰ[۲] کا درس مجلسِ عرفاں کی رونقیں
وُہ بادۂ طہور وُہ پیرِ مُغاں حمید

---

۱ ایک عزیز کا نام۔ ۲ مسجد کا نام۔

فصلِ فتوح[۳] کی وادیٔ گلپوش اب کہاں
تڑپے ہے جسکے واسطے یہ نیم جاں حمید

زندہ تھا جسکی دید سے میرا جنونِ شوق
شیریں تھی جسکے نام سے میری زباں حمید

رحمت[۴] کی ریل پیل نہ جانے کہاں گئی
روتا ہے جسکی یاد میں قلبِ تپاں حمید

کاٹے تھے ہیں نے جسمیں جوانی کے رات دن
لوٹا گیا وہ خانۂ الفت نشاں حمید

تو ہی بتا وہ چاند سے چہرے کدھر گئے
نالہ تھی جنکے واسطے آہ و فغاں حمید

دار العلوم[۵] یاد سے اُترا نہیں ہنوز
پروان جسمیں چڑھتے تھے طفل و جواں حمید

ہر وقت جس میں علم کا دریا تھا موجزن
شانِ حمید جس میں تھی ہر سُو عیاں حمید

جاہل تھے جسکے در کے بھکاری بنے ہوئے
عالم تھے جسکے فیض سے گوہر فشاں حمید

القصہ ایک خلد تھی وہ قادیاں نہ تھی
جس کا ہے داغ سینے میں شعلہ فشاں حمید

---

۳ محلوں کے نام۔ ۴ محلہ کا نام۔ ۵ محلہ کا نام۔

نوجوانی کے ارمان!

میری نوجوانی کے ارمان تھے وُہ
مری سرفرازی کا سامان تھے وُہ
مرے دِل کی دُنیا کے سُلطان تھے وُہ
کہاں چلدیئے مجھکو ناشاد کرکے
مری آرزُوؤں کو برباد کر کے

مَیں جاؤنگا اُنکے لیئے ہر مکاں میں
کبھی اِس جہاں میں کبھی اُس جہاں میں
کبھی آسماں پہ کبھی لامکاں میں
کہ شاید وُہ دِلدار ملجائیں میرے
جُدائی کے سب داغ دُھل جائیں میرے

کبھی جا کے دیکھونگا یزدانیوں میں
کبھی جا کے ڈھونڈونگا فارانیوں میں
کبھی جا کے پُوچھونگا رُوحانیوں میں
کہ وُہ شاہِ والا کہاں ہیں کدھر ہیں
مجھے لے چلو وُہ جہاں ہیں جدھر ہیں

زمینوں سے جاکر زمانوں سے جاکر
مکینوں سے جاکر مکانوں سے جاکر
فضاؤں سے کیا آسمانوں سے جاکر
کہونگا مرا دل دکھایا ہے تم نے
کہاں میرا یوسف چھپایا ہے تم نے

کبھی اپنی اقصٰی کے مینار پر سے
کبھی قادیاں تیرے دیوار و در سے
کبھی آتے جاتے ادھر سے اُدھر سے
اُسی جانِ جاں کا تقاضا کروں گا
اُسی مہ لقا کی تمنّا کروں گا

اگر مل گیا مجھکو وہ لامکانی
غمِ آرزوئے محبّت کا بانی
تڑپتی ہے جس... کے لئے زندگانی
مناؤنگا اُس کو میں آنسو بہا کر
بٹھاؤں گا دل میں یہ آنکھیں بچھا کر

کہونگا اے جانِ جہاں شاد کر دے
میں برباد ہوں مجھکو آباد کر دے
اسیرِ ہوس ہوں تو آزاد کر دے
کہ تیرے سوا کون فریاد رس ہے
تو ئی عاصیاں را خطا بخش و بس ہے

گلشنِ راز

یاد ایامے کہ یہ کون و مکاں بے بود تھا
تو ہی تو جلوہ نما تھا تو ہی تو موجود تھا

خیر و شر کے سب مراحل تھے نہاں تقدیر میں
نوریانِ عرش بھی تھے لوح کی تحریر میں

اِک ضمیرِ مستتر تھا یہ عناصر کا وجود
لامکاں ہی لامکاں تھا یہ جہانِ ہست و بود

دوش و فردا کی کشاکش کیف سے محروم تھی
مہر و ماہ و مشتری کی ذات بے مفہوم تھی

بے مظاہر تھا ابھی حسن و جمالِ سرمدی
ساغرِ وحدت میں تھی پنہاں شرابِ ایزدی

ماورائے عقلِ انساں تھی ادائے لم یزل
دانش و بینش سے بالا تھا مقامِ بے مثل

این و آنِ دو جہاں تھا پردۂ کتماں میں
اِک ھویّت تھی سراپا عرصۂ امکان میں

آستانِ حسن خالی تھا جبینِ شوق سے
جذبۂ نوخیز واقف تھا نہ حرفِ ذوق سے

کاف و کن کے زمزمے تھے سینۂ تفرید میں
کنت کنزاً مخفیاً تھا عالمِ تجرید میں

ناگہاں اٹھی صدائے کن حریمِ ذات سے
ہو گئی سرشار کثرت جامِ تنزیہات سے

قلزمِ وحدت سے ابھرا حبابِ ہست و بود
امتزاجِ کیف و کم سے جم گئی بزمِ شہود

لم یکن کو ساحرِ کن سے ملا رنگِ صفات
پردۂ ظلمت سے نکلا چشمۂ آبِ حیات

بادۂ مختومِ یزداں زینتِ محفل ہوا
شاہدِ روحِ معانی رونقِ محمل ہوا

زبدۂ کون و مکاں نکلا جبینِ خاک سے
جلوۂ انوار جھلکا روزنِ افلاک سے

مطلعِ لولاک سے پھوٹی شعاعِ آفتاب
خیطۂ صلصال سے اُٹھے ہزاروں ماہتاب

استوائے عرش سے آئی نویدِ جاں فزا
گلشنِ امشاج میں چلنے لگی بادِ صبا

نازشِ طین و ترابِ زندگی پیدا ہُوا
مظہرِ قدس و جمالِ سرمدی پیدا ہُوا

قالبِ خاکی میں نور و نار یکجا ہو گئے
عرش کے جلوے زمیں پہ ناز فرما ہو گئے

طرۂ تاجِ امانت مل گیا انسان کو
منصبِ مخدومِ گیتی مل گیا اس جان کو

امتیازِ ما و تو نے کر دیا پھر بیقرار
آرزوئے وصل میں تڑپی حیاتِ مستعار

لا الٰہ کے دل سے اُٹھی پھر صدائے اللہ ھو
منزلِ مقصود کی ہونے لگی پھر جستجو

التجائے شوق میں نالے کہیں رسوا ہوئے
انتہائے عشق میں آنسو کہیں افشا ہوئے

لہلہایا گلشنِ الفت کبھی یونان میں
جگمگائی مشعلِ یزداں کبھی ایران میں

جذبۂ دل سے کسی نے باندھا احرامِ وفا
عقبۂ جمرات سے راندا کسی نے ماسوا

سعیِ مروہ سے کسی نے جستجوئے دید کی
طوفِ کعبہ سے کسی نے وصل کی اُمید کی

نازشِ فاراں سے پیدا ہو گئے لاکھوں فسوں
جلوۂ ساعیر سے پیدا ہوئے لاکھوں جنوں

رستخیزِ عشق نے محشر کئی برپا کئے
التفاتِ ناز نے عشوے کئی افشا کئے

عرش پہ ڈالی کسی کے جوشِ الفت نے کمند
لامکاں در لامکاں پہنچا جنونِ دردمند

نحن اقرب کا ہوا چرچا خروشِ عام میں
بن گیا تسکینِ دل تو گردشِ ایام میں

اضطرابِ ہجر تھا لیکن مرے مقسوم میں
اشتیاقِ دید تھا میرے دلِ مرحوم میں

لیت اُمّی لم تلدنی شکوۂ رنجور تھا
لیتنی کنت ترابا نالۂ مہجور تھا

وائے قسمت، مبتلائے یاس کی فریاد تھی
وادریغا! اک نوائے عاشقِ ناشاد تھی

گردشِ افلاک تھی آزار دِہ میرے لئے
غم فزا، جانگزا تھے یہ و مہ میرے لئے

تیری الفت سے مُحزون تھی حیاتِ مستعار
تیری فرقت کا بیاباں چار سو تھا شعلہ بار

گاہ افتاں گاہ خیزاں تھی جبینِ زندگی
گاہ پیدا گاہ پنہاں تھا نیازِ بندگی

کوئی منزل تھی نہ جادہ رہبرِ ایام کا
کوئی ملجا تھا نہ ماوی عاشقِ ناکام کا

اک جنونِ مشتعل تھا اور تیری جستجو
اک تلاشِ متصل تھی اور تیری آرزو

زہرہ و پروین تھے محرم دیدۂ بیدار کے
دشت و صحرا راز داں تھے آہِ آتشبار کے

واقفِ آزار تھا اک مرقدِ خود ساختہ،
محرمِ اسرار تھا اک شجرۂ افراختہ،

غمگسارِ بے کسی تھی سرزمینِ عیدگاہ
چارہ سازِ بے بسی تھی التجائے اشک و آہ

آشنائے دردِ دل تھی شدرۂ پرخار بھی
ہمدمِ بیچارگی تھی اک ببولِ زار بھی

نالشِ بیدادِ عصیاں جا بجا کرتا تھا میں
سو بسو روتا تھا میں اور کو بکو مرتا تھا میں

اے خدا اب جانِ الفت کو صلائے دید دے
ماتمِ اہلِ محرم کو نویدِ عید دے

آرزوؤں کی تڑپ کو مطلعِ انوار کر
دیدۂ دل کو محیطِ گوہرِ اسرار کر

جگمگا دے میری دنیا جلوۂ فاران سے
لہلہا دے میرا گلشن کوثرِ رضوان سے

مصطفےٰ کا عشق دے میرے دلِ صد چاک کو
احمدیت کا جنوں دے بستۂ فتراک کو

انتہائے جستجو دے انتہائے راز دے
تا ابد جو اڑ سکے وہ شہپرِ پرواز دے

دوزخِ ہجراں بدل دے جنتِ دیدار میں
دانۂ تسبیح پرو دے رشتۂ زنار میں

لحنِ کُن کے ساز میں بھر دے صدائے لم یزل
جاوداں در جاوداں کر دے حیاتِ پا بگل

شوقِ لا محدود دے افسردۂ احزان کو
بالِ جبرائیل دے آشفتۂ ہجران کو

میری اُلفت کو ایاغِ بادۂ ایمان کر
میری ہستی کو چراغِ جادۂ عرفان کر

میرے نالوں کو درائے کارواں کا سوز دے
میری آہوں کو فروغِ انجمن افروز دے

کاسۂ دعوات بھر دے دولتِ دیدار سے
اے خدا مجھکو بنا لے زمرۂ ابرار سے

آمین

دیوارِ گریہ

غسل در اشک زدم کاہلِ طریقت گویند
پاک شو اول و پس دیدہ براں پاک انداز

(۶)

(۱)

رونا۔ رونا مدام رونا ہے
صُبح رونا ہے شام رونا ہے

عشرتوں کا مآل دیدۂ تر
حسرتوں کا پیام رونا ہے

نازشِ و ناز، نالہ و شیون
عشق کا اہتمام رونا ہے

میکدہ ہے کہ غمکدے کی فضا
بادہ گریہ ہے جام رونا ہے

خندۂ گل کا اعتبار نہ کر
قہقہوں میں تمام رونا ہے

منزلوں کا سکوں فریبِ خیال
کارواں کا خرام رونا ہے

شغلِ گریہ سے روکنے والو
میری آنکھوں کا کام رونا ہے

کون کافر ہے جو نہیں رویا
زندگی! تیرا نام رونا ہے

آخرت کی خبر نہیں مصلحؔ
اس جہاں میں تو عام رونا ہے

(۲)

تم کیا جانو اِس اُلفت میں کیا رنج اُٹھانے پڑتے ہیں

جو راز چھپانے ہوتے ہیں وہ راز بتانے پڑتے ہیں

ایسی بھی مصیبت آتی ہے، اِس دل کی لگی کے ہاتھوں سے

اپنوں کے علاوہ غیروں کے احسان اُٹھانے پڑتے ہیں

تم بھول کہو یا داغ اِنھیں لیکن یہ حقیقت ظاہر ہے

وہ زخم ہرے ہو جاتے ہیں جو زخم دِکھانے پڑتے ہیں

فرقت کی سحر تو ہوتی ہے پر رات کے جلنے جانے تک

اشکوں کے ستارے آنکھوں سے رہ رہ کے گرانے پڑتے ہیں

یہ جانِ وفا، یہ راحتِ جاں، تو عام جنوں کے عنواں ہیں

کچھ نام تمھارے وہ بھی ہیں، جو لکھ کے مٹانے پڑتے ہیں

آدابِ محبت کی خاطر اِس بزمِ جہاں میں اے مصلح

ایسے بھی بہت سے گیت ہیں، جو آنکھوں سے سنانے پڑتے ہیں

(۳)

حریمِ زہد میں دیکھی ہے کافری میں نے
گلیمِ فقر میں پائی ہے خودسری میں نے

تمہاری چشمِ عنایت کا کیا صلہ دوں گا
کہ جان دیکے خریدی ہے بے رخی میں نے

اُنھیں کے طرزِ مروّت کا آج شاکی ہوں
جنھیں سکھائے تھے اندازِ دلبری میں نے

یہ تیرے کوچۂ اُلفت کی خاک تھی ورنہ
کبھی تو کی ہی ستاروں سے ہمسری میں نے

نہ جانے کس لئے وحشت سی پھر بھی ہوتی ہے
اگرچہ دیکھے ہیں لاکھوں ہی آدمی میں نے

کوئی تو بات ہے اس زندگی کے پردے میں
کہ جان دینے میں دیکھی ہی بہتری میں نے

(۴)

نہ جھپکنے پائے تھے آنکھ ہم کہ فلک کا دور بدل گیا
جو چلا بھی جھونکا نسیم کا تو کلی کلی کو مسل گیا

نہ سرور اب وہ سرور ہے نہ خمار اب وہ خمار ہے
میری زندگی کی شراب میں کوئی آکے زہر اگل گیا

اُسے کیا خبر کہ سکونِ عشق کی منزلیں ہیں کہاں کہاں
جو اِدھر بڑھا تو الجھ گیا جو اُدھر بڑھا تو پھسل گیا

مجھے اُن کے وعدۂ وصل پر کوئی اعتبار نہ تھا مگر
دلِ بیقرار نہ جانے کیوں یہ کھلونا لیکے بہل گیا

نہ ہی زندگی وُہی زندگی رہے مرحلے وُہی مرحلے
مَیں اگرچہ اُن کی تلاش میں بڑی دُور دُور نکل گیا

اِسے اپنے بادہ و جام پر اے خرابِ دہر گماں نہ کر
کہ یہ جامِ عشق وُہ جام ہے کہ جو پی گیا وہ سنبھل گیا

(۵)

یب سے تیری نگاہ نہیں ہوتی
دل سے اپنی نباہ نہیں ہوتی

کاش ناصح کو کوئی سمجھائے
رسمِ الفت گناہ نہیں ہوتی

میکدہ میکدہ ہی رہتا ہے
یہ زمیں خانقاہ نہیں ہوتی

اُن کو مشقِ ستم سے کیا روکیں
ہم غریبوں سے آہ نہیں ہوتی

دل کی تسکین کا پوچھتے کیا ہو
گاہ ہوتی ہے گاہ نہیں ہوتی

کچھ ستم اس جہاں میں ایسے ہیں
جن کی دُنیا گواہ نہیں ہوتی

تیری آہوں کی خیر ہو مصلحؔ
دل کی دُنیا تباہ نہیں ہوتی

(۶)

عشق ہی میرا دین ہے عشق ہی میری ذات ہے
عشق نہ ہو تو یہ جہاں مُردہ سی کائنات ہے

اُن کے جہانِ شوق میں اور بھی تھے نیاز مند
میرے ہی دِل کو غم دیا حسنِ طلب کی بات ہے

دِل کی نظر ہی نُور ہے، دِل کی نظر ہی طُور ہے
دِل کی نظر نہ ہو اگر، کعبہ بھی سومنات ہے

گرچہ کبھی کا چھُپ چکا پردے میں حُسنِ لم یزل
دِل ہے مگر کہ آج بھی محوِ تجلّیات ہے

عشق و وفا کے وَلوَلے رنج والم کی داستاں
مُصلحؔ تمھاری شاعری نغمۂ واردات ہے

(۷)

درد فراقِ یار اِدھر ہے اُدھر نہیں — چرخِ ستم شعار اِدھر ہے اُدھر نہیں
جسکو ہوئی نہ فرصتِ عشرت کبھی نصیب — وہ عمرِ سوگوار اِدھر ہے اُدھر نہیں

محروم ہے جو لذّتِ دیدار سے ابھی — وہ چشمِ اشکبار اِدھر ہے اُدھر نہیں
ن کا وجود ہستیٔ اُلفت کی ہے دلیل — وہ کیفِ انتظار اِدھر ہے اُدھر نہیں

توں کی نیند اُڑ گئی جس سے فراق میں — وہ شوقِ بیقرار اِدھر ہے اُدھر نہیں
م ہیں جس سے دردِ محبت کی عظمتیں — وہ آہِ شعلہ بار اِدھر ہے اُدھر نہیں

ٹے ہیں جس کے فیض سے پاؤں کے آبلے — وہ دشتِ خارزار اِدھر ہے اُدھر نہیں
س شامِ روزگار کی ہوتی نہیں سحر — وہ شامِ روزگار اِدھر ہے اُدھر نہیں

تو ہی بتا اے داورِ اُلفت مجھے یہ راز
کیوں دل میں خلفشار اِدھر ہے اُدھر نہیں

(۸)

جبینِ آرزو بدلی نہ سنگِ آستاں بدلا
ترے طرزِ تغافل سے مرا طرزِ فغاں بدلا
وہی گلچیں وہی صیاد اب بھی ہیں گلستاں میں
ہُوا کیا موسمِ گل سے اگر دورِ خزاں بدلا

حوادث نے کچھ ایسے رنگ میں طرحِ ستم ڈالی
نہ چشمِ خونفشاں بدلی نہ قلبِ نیم جاں بدلا
مقدر کی پریشانی رہی پھر بھی پریشانی
بدلنے کو اگرچہ بارہا دورِ جہاں بدلا

پڑا رہنے دے اب اسکو اسی حالت میں چارہ گر
بڑی مشکل سے کروٹ یہ مریضِ ناتواں بدلا
مری عمرِ رواں نے کس سفینے کا جنم پایا
کہ ساحل پر پہنچ کر بھی نہ سیلِ بیکراں بدلا

نہ بدلی پھر بھی خوئے شعلہ باری برقِ سوزاں کی
جہاں تک ہو سکا ہم نے مقامِ آشیاں بدلا
نہ وہ ساقی نہ وہ صہبا نہ وہ محفل رہی باقی
مرے آنے سے میخانے میں دورِ میکشاں بدلا

(۹)

دِل دیکھے اپنی جان کو تڑپا رہا ہوں مَیں
اپنے کئے پہ آپ ہی پچھتا رہا ہوں مَیں

اِس سے بھی کچھ سوا ہی مری زندگی کا حال
جو کچھ ترے پیار میں کہلا رہا ہوں مَیں

دِل کہہ رہا ہے مجھ سے مری لغزشوں کا حال
اور دِل کو اپنے طور سے سمجھا رہا ہوں مَیں

ساقی تری نوازشِ پیہم کا شُکریہ
چرخِ زمانہ ساز سے گھبرا رہا ہوں مَیں

کل جانے کیا دِکھائے تری چشمِ التفات
ابتک تو اِس جہان کو جُھٹلا رہا ہوں مَیں

(١٠)

مت پوچھ مری حالت سرگشتہ و حیراں ہوں
دُنیا سے پریشاں ہوں عُقبیٰ سے پشیماں ہوں

کس راہ پہ جانا تھا، کس رَہ پہ چلا آیا
بھٹکا ہوا راہی ہوں بھولا ہوا انساں ہوں

پھر جانے کہاں پھینکے یہ چرخِ کہن مجھ کو
اِک بار نظر کیجے اِک لحظے کا مہماں ہوں

اب دستِ تمنّا میں دامن بھی نہیں اُنکا
اے وائے پشیمانی کس درجہ پشیماں ہوں

مُصلحؔ بھی نہیں اتنا افسردہ مرے غم میں
جتنا کہ مَیں دُنیا میں مُصلحؔ سے پریشاں ہوں

(۱۱)

تیری محفل سے جو بھی آتا ہے
اپنے اپنے سُروں میں گاتا ہے

میرے نالوں کو نارسا نہ سمجھ
تیری حالت پہ رحم آتا ہے

تُو نے کیا کیا ستم کیئے لیکن
میرا دل ہے کہ بُھول جاتا ہے

راہِ اُلفت بڑی طویل سہی
چلنے والا پہنچ ہی جاتا ہے

تیری دُنیا میں ہم فقیروں کو
کون اپنے گلے لگاتا ہے

(۱۲)

جانے کیا چیز دلبری میں نہیں
کوئی تسکین عاشقی میں نہیں

دن تو اب بھی گذر رہے جاتے ہیں
بات پہلی سی زندگی میں نہیں

سر نہ پیٹے تو کیا کرے انساں
آدمیت بھی آدمی میں نہیں

آئینہ لیکے آپ ہی دیکھو
کونسی چیز سادگی میں نہیں

یہ کسی اور کی صدا ہوگی!
اب وہ درویش اس گلی میں نہیں

سر جھکانے سے فائدہ مصلحؔ
دل کا جھکنا جو بندگی میں نہیں!

(۱۳)

اُسے کیا خبر کہ کیا ہے یہ سجودِ عاشقانہ
نہ ملا جسے جہاں میں تیرا سنگِ آستانہ

تیری بے رُخی سے ظاہر تیری خُوئے دلنوازی
تیری دشمنی سے روشن تیرا رنگِ دوستانہ

ابھی اور بھی ہیں باقی میری زندگی کے لمحے
ابھی اور آزما لے مجھے گردشِ زمانہ

دلِ بیقرار ایسے میری سُن رہا ہے باتیں
کوئی سُن رہا ہو جیسے بڑا دکھ بھرا افسانہ

یہ رکوعِ خود پرستی یہ سجودِ خود نوازی
سبھی جانتے ہیں مصلح تیری شانِ مُصلحانہ

(۱۴)

مذاقِ زندگی اپنا بدل جائے تو اچھا ہے
کسی صورت دلِ مضطر سنبھل جائے تو اچھا ہے

لگائے جاؤ نگا سینے سے کبتک دشمنِ جاں کو
یہ تیرِ آرزو دل سے نکل جائے تو اچھا ہے

زمانہ بھر پہ کھل جائے کرامت آہِ سوزاں کی
دلِ سنگیں اگر انکا پگھل جائے تو اچھا ہے

جسے کھلنا نہیں ہے باغِ ہستی کی بہاروں میں
اُسے دستِ خزاں اگر مسل جائے تو اچھا ہے

اگر منزل پہ جانا ہے کسی کی دستگیری سے
مرا اُٹھا ہوا پاؤں پھسل جائے تو اچھا ہے

گذشتہ محفلوں کی داستاں کوئی سنا مصلحؔ
فسردہ سی طبیعت کچھ بہل جائے تو اچھا ہے

(۱۵)

جانے کتنی دیر لگے گی درد کا درماں ہوتے ہوتے
ہجر کے آنسو تھمتے تھمتے وصل کا ساماں ہوتے ہوتے

جان سے اُنکی یاد کا رشتہ جانے کیونکر قائم ہے
ٹوٹ گئے جب اُنسے اپنے سینکڑوں پیماں ہوتے ہوتے

بھاڑ میں جائے گھر کی زینت آگ لگے اِس دُنیا کو
جب وہ حسن کے رنگیں جلوے رہ گئے مہماں ہوتے ہوتے

ایک جھپک میں عشق کی بستی حسن نے ویراں کر ڈالی
ہم یہ سمجھے دیر لگے گی دل کو بیاباں ہوتے ہوتے

چاہ میں گرنا مصر میں بکنا قید میں پڑنا کھیل نہیں
جیتے جی مرجانا ہوگا یوسفِ کنعاں ہوتے ہوتے

(۱۶)

جس سے روشن تھی زمیں وہ آسماں کھو یا گیا
زندگی کیا زندگی کا پاسباں کھو یا گیا

ایک مدت تک تو دل کے ساتھ تھی دل کی بہار
پھر خدا جانے کہاں یہ گلستاں کھو یا گیا

ہائے کس صحرا میں قسمت نے چلایا ہے مجھے
میری امیدوں کا سارا کارواں کھو یا گیا

چار سُو دیکھا اِدھر روئے اُدھر فریاد کی
اُن سے جانے کس کی تربت کا نشاں کھو یا گیا

کوئی کب تک ساتھ دیتا ہجر کے بیمار کا
چل کے تھوڑی دور ہر اک مہرباں کھو یا گیا

محفلِ الفت سے مصلحؔ انکے اُٹھ جانے کے بعد
زندگی کیا زندگی کا پاسباں کھو یا گیا

(۱۷)

یہ بھی ہے ایک حادثہ گردشِ روزگار کا
اُن سے پڑا معاملہ دیدۂ اشکبار کا

قلبِ حزیں کو چھیڑیئے یہ بھی تو ایک ساز ہے
چشمِ رواں کو دیکھئے رنگ ہے جوئبار کا

مُجھکو تو اعتبار ہے اُن کی نگاہِ مہر پر
دل کو بھی اعتبار ہو گردشِ روزگار کا

حُسنِ ازل تو آج بھی جلوہ نما ہے چار سُو
ہم نے ہی نور کھو دیا دیدۂ انتظار کا

پھُولوں بھری بہار ہے کچھ بھی نہ ساتھ لے چلے
آہ بُرا ہو دہر میں دامنِ تار تار کا

جتنی بھی ہے وُہ ڈالدے کاسۂ خاکسار میں
تا نہ رہے کوئی گلہ ساقیِ نامدار کا

چشمِ کرم اُٹھائیے جامِ وصال دیجئے
ایسا بھی کیا قصور ہے مُصلحِ نابکار کا

(۱۸)

مرے دل نے کچھ ایسے بھی تقاضے ہیں بھلا ڈالے
نہ کام آئے جہاں آنسو، نہ کام آئے جہاں نالے

یہ منزل کی کشش تھی جو اُڑا کر لے گئی ورنہ
مرے پاؤں میں اب بھی ہیں وہی کانٹے وہی چھالے

رہِ اُلفت کی یہ دشواریاں تو پھر بھی آساں ہیں
گذر نا ہو تو جاں سے بھی گذر جاتے ہیں دل والے

میں اُس جام و سبو کو ننگِ میخانہ سمجھتا ہوں
جسے پی کر سرِ محفل بہک جاتے ہیں متوالے

کہاں میں اور کہاں اس محفلِ رنگیں سے بیزاری
مگر تیرا بھلا ہو اے مرا دل توڑنے والے

(۱۹)

جب سے تمہاری دید کا ساماں نہیں رہا
کچھ اعتبارِ گردشِ دوراں نہیں رہا

جس سے ترے خیال کو بہلا رہا تھا میں
دستِ جنوں میں اب وہ گریباں نہیں رہا

برق و شرر سے کون کرے عمر بھر نباہ
رہنے کا اب یہ صحنِ گلستاں نہیں رہا

اُس دل کی بے بسی کا ٹھکانا نہ پوچھئے
جس دل کو اعتمادِ بہاراں نہیں رہا

کرتا رہا میں جس کیلئے موت سے گریز
پیماں شکن کو یاد وہ پیماں نہیں رہا

اچھا ہوا کہ ٹوٹ گئے دل کے آسرے
کعبے میں کوئی دیر کا ساماں نہیں رہا

اُنکا یہ اجتناب کوئی بے سبب نہیں
مصلحؔ بھی اُنکی شان کے شایاں نہیں رہا

(۲۰)

حُسن تمہارا گُلشن گُلشن　　عشق ہمارا تن من، تن من

عرصۂ ہستی کوئے ملامت　　راحتِ دُنیا رہزن رہزن

عہدِ جوانی ایک فسانہ　　دل کی اُمنگیں مدفن مدفن

رشتۂ اُلفت پیچاں پیچاں　　گیسوئے قسمت اُلجھن اُلجھن

کس کو سنائیں غم کی کہانی　　اپنے پرائے دُشمن دُشمن

حیف یہ آنکھیں دید کی پیاسی　　اُف وہ نظارے چلمن چلمن

دیکھنے والے دیکھ ہی لیں گے　　تم بھی لگالو قدغن قدغن

یہ نہ خبر تھی اے غمِ ہجراں　　ہم بھی پھرینگے بن بن، بن بن

دل میں ابھی تک یاد ہے اُن کی　　جن سے ہے اپنی اَن بن، اَن بن

کس کی نظر تھی جس نے اے مُصلحؔ
پھونک دیا ہے خرمن خرمن

(۲۱)

اس دل کا داغ داغ دکھایا گیا تو کیا
حالِ غمِ فراق سُنایا گیا تو کیا

اَب تک ملی نہ کعبۂ مُقصُود کی خبر
دیر و حرم میں سر کو جُھکایا گیا تو کیا

تش بھی تو اِک حجاب تھا نظرِ کلیم کا
خ سے ترے نقاب اُٹھایا گیا تو کیا

دو گام چل کے رہ گئے دشتِ جنوں میں ہم
رہبر کو ساتھ ساتھ چلایا گیا تو کیا

وجِ بلا سے ڈُوبنے والے نہ بچ سکے
شتی کو وار پار لگایا گیا تو کیا

چَرخِ کہُن نے اور بھی لاکھوں ستم کئے
لوحِ جہاں سے مُجھکو مٹایا گیا تو کیا

(۲۲)

پھر وُہی لحظہ بہ لحظہ یورشِ طوفانِ غم
پھر وُہی دشتِ محبت یم بہ یم میرے لئے

پھر وُہی گلشن بہ گلشن ماتمِ عہدِ بہار
پھر وُہی مینا و ساغر سم بہ سم میرے لئے

پھر وُہی صحرا بہ صحرا اضطرابِ عاشقی
پھر وُہی آلامِ فرقت دم بہ دم میرے لئے

پھر وُہی برزن بہ برزن شکوۂ جورِ فلک
پھر وُہی سامانِ ہستی غم بہ غم میرے لئے

پھر وُہی نالہ بہ نالہ آتشِ دردِ فراق
پھر وُہی چشمِ تمنا نم بہ نم میرے لئے

پھر وُہی سجدہ بہ سجدہ ابتہال و عاجزی
پھر وُہی گیسوئے قسمت خم بہ خم میرے لئے

(۲۳)

یہی تھا چین تو مجھکو مٹا دیا ہوتا
ازل کے روز یہ جھگڑا چکا دیا ہوتا

تمھارے طور کے قابل کہاں تھا یہ عاصی
کسی بہانے سے چہرہ دکھا دیا ہوتا

یہ مانا ہجر کے لمحے خراب ہوتے ہیں
مگر یہ پہلے ہی مجھکو بتا دیا ہوتا

دلِ حزیں کا بسانا تمھارے لبس میں تھا
گرا کے دیر کو کعبہ بنا دیا ہوتا

کہاں سے لاؤں میں بیتی ہوئی بہاروں کو
تمھیں جو آنا تھا گلشن کھلا دیا ہوتا!

(۲۴)

ہائے اُلفت کی ناز فرمائی
ہم سے چھُوٹی نہ دشت پیمائی

تجھکو الزام کون دیتا ہے
میری قسمت میں ہوگی رسوائی

دِل پریشاں ہے گھر بیاباں ہے
کِس کو بھُولی ہے تیری رعنائی

درد والے ہی جان سکتے ہیں
دردمندوں کی ناشکیبائی

تُم تو جاتے ہو فِی امانِ اللہ
کون ہوگا شریکِ تنہائی

یہ بھی شاید تری عنایت ہے
بیٹھے بیٹھے جو آنکھ بھر آئی

مَیں جو بھُولا تو غم زمانے کے
یاد آئی تو تیری یاد آئی

(۲۵)

پھر وہی کوسِ رحیلِ منتظر میرے لئے
پھر وہی وقتِ وداعِ چارہ گر میرے لئے

پھر وہی کلفت وہی وحشت وہی دیوانگی
پھر وہی صحرا وہی کوہ و کمر میرے لئے

پھر وہی نہرہ وہی بجرہ وہی بختِ سیاہ
پھر وہی خرمن وہی برق و شرر میرے لئے

پھر وہی راتیں وہی گردوں وہی بیداریاں
پھر وہی اختر وہی کارِ نظر میرے لئے

پھر وہی جادہ وہی منزل وہی دشت و جبل
پھر وہی رہزن وہی خوف و خطر میرے لئے

پھر وہی خلوت وہی ظلمت وہی بیتابیاں
پھر وہی زنداں وہی دیوار و در میرے لئے

پھر وہی حسرت وہی فرقت وہی بیچارگی
پھر وہی گردش وہی شام و سحر میرے لئے

پھر وہی مونس وہی ہمدم وہی پرسانِ غم
پھر وہی آنسو وہی دامانِ تر میرے لئے

(۲۶)

کسی کی اُلفت میں خُوں کے آنسو بہا رہے ہیں بہانے والے
کسی کے جلوؤں پہ جان اپنی لُٹا رہے ہیں لُٹانے والے

کہاں ہے منزل کہاں ہے محمل کہاں ہے لیلیٰ خبر نہیں ہے
بس اتنا سمجھے مہارِ دل کی اُٹھا رہے ہیں اُٹھانے والے

گدا سمجھکر وہ بھیک دیدیں اُسے کاش حُسنِ کرشمہ گر کی
درِ مسیحا پہ جاکے دُھونی رما رہے ہیں رمانے والے

اِدھر سے گذریں وُہ یا نہ گُذریں نہ ہے خیالِ وصالِ جاناں
رہِ محبّت میں اپنی آنکھیں بچھا رہے ہیں بچھانے والے

یہ باغ اچھّا یہ پھُول اچھّے یہ شاخ اچھی بجا ہے لیکن
گُذر رہو کیسے جب آشیانہ جلا رہے ہیں جلانے والے

کب ہوگا زندہ شہیدِ فُرقت یہ بھید مصلحؔ خُدا ہی جانے
ابھی تو اس بینوا کا لاشہ دبا رہے ہیں دبانیوالے

(۲۷)

دِل جب تک اپنے ساتھ رہا دُکھ درد کے نالے ساتھ رہے
گردوں میں ستارے اَور بھی تھے اِس چاند کے ہالے ساتھ رہے

دُنیا میں بیاباں گردی سے یُوں حال بدلتے دیکھا ہے
اُس پاؤں کے کانٹے ساتھ ہیں اَب جس پاؤں کے چھالے ساتھ رہے

ساحل تو چھُٹا تھا پہلے ہی کشتی بھی بھنور میں ڈُوب گئی
دریائے محبّت میں لیکن طُوفاں کے اُچھالے ساتھ رہے

کیا آگ تھی دِل میں جانے خُدا جو بڑھتی گئی اور کم نہ ہُوئی
گو شام و سحر کے رونے میں برسات کے جھالے ساتھ رہے

مُصلحؔ کو جہاں میں گرتے ہی اُمیدِ کرم نے تھام لیا
عصیاں کی اندھیری راتوں میں رحمت کے اُجالے ساتھ رہے

دیس راگ

بھال بھال تھکی آں میں لبھ لبھ ہاری آں
انگ انگ چور ہویا درداں دی ماری آں
کس نوں میں بھید دساں کیہدی پچھاری آں
دکھ والی اگ سینے دل دی ازاری آں

جاواں کیہڑی تھاں تے میں دساں کی طبیباں نوں
تیرے باہجھ سوہنیاں میں روندی آں نصیباں نوں

ڈُب گئے نے چَن تارے اُڈ گیا ئے نُور بھی
چھُپ گیا ئے مُکھ تیرا بُجھ گیا ئے طُور بھی
تیرے باہجھ دُکھ ہویا سُکھ تے سرور بھی
دِناں میںنوں گنڈ دِتّی ہویا ئے نشور بھی

اِک وَاری آ ایتھے چَن تے ستار یا
جان تیتھوں گھول گھتّی جَگ تیتھوں وَاریا

اوہ بھی دِن ہَیسی جدوں جان تو قریب سائیں
دِل دا علاج میرے دُکھّاں دَا طبیب سائیں
ہاڑے جہڑے پیش آئے اونہاں دَا عجیب سائیں
دُھروں میرے لِکھے ہوئے عشق دا نصیب سائیں

اَج کیہڑی گل پِچھے بھُل گیا ئیں پیار نوُں
گلی گلی خوار کیتا ئی ایس اوگنہار نوُں

رَاہاں اُتّے رُل رُل جِندڑی اے رُل گئی
نَکھّاں والے مُل والی کَکّھاں نال تُل گئی
ہَنجواں دا وَاس کیتا اَکھّیاں تو ڈھل گئی
بھُلّی مَیں ایہی میری جان میتھوں بھُل گئی

جیہڑے کدی اپنے سَن اَج نے بیگانڑے
مَیں ہاں دیوانی اِتّے لوک نے دیوانڑے

رب جانے کدوں تائیں رونی آں نتے رووال گی
نیناں والی جوگ تائیں جونی آں تے جووال گی
ہجر والے داغ تائیں دھونی آں تے دھووال گی
دودھ پالے چونڈیاں نوں کھونی آں تے کھووال گی

تینوں کاہدی وات میرے دکھ تے آزار دی
پار والے واسیاں نوں سار کی اورار دی

ڈاہڈا مندا حال ہویا کن دی اساری دا
لدھا نہ طبیب کوئی دل دی بیماری دا
لٹ لیا مل کسے ایس بیوپاری دا
ہووے کیڑا جگ اتے اوگنا ندی ہاری دا

آکے ہن کون دیوے دل نوں دلاسڑے
روئی آں میں دکھاں تائیں او کاندے تے ہاسڑے

اکھ میں لوکاں والں میٹھوں غم نہیوں لکدا
نیناں والی نہر وچوں نیر نہیوں سکدا
ہونی والا تیر چنّاں اینویں نہیوں اکدا
اپنا پرایا اج نیڑے نہیوں ڈھکدا

دل والا روگ شالا کسے تائیں لگّے ناں
جیہڑی ساںوں وگی اے اوہ وَیریاں نوں وگّے ناں

جوگناں دا دیس لایا جنگلاں دے داس اے
مجھنے وچ رت نہ اوہ ہڈیاں تے ماس اے
کنڈیاں وی سیج اُتے جندڑی اُداس اے
جانے کیہڑی گل پچھے دُکھ تیرا راس اے

آویں تے سُناواں تینوں غم دیاں بیتیاں
اَج بھاویں جھولی پئیاں جھڑیاں میں کیتیاں

کاواں نوں اُڈانا کدی اوسیاندا پاونا
سدّ کے نجومی کدی ہتھ نوں دکھاونا
رملی نوں پچھ گلاں فال دا کڈھاونا
بُوہے وَل تک تک راہاں اُتے جاونا

ایہو سدا کار تیری بندڑی دی کار اے
رب جانے کدو تائیں دناں والی ہار اے

جھلّی جھلّی آکھ کے ایہہ جگ مہنے مار دا
غوطے اینویں دیہی جاندا ڈوبدا نہ تار دا
گوکاں بھاویں لکھ واری مل نہیں پکار دا
رب جانے لایا سی میں نہیوں کہڑے وار دا

آکے ہن ڈُبی ہوئی جندڑی نوں تار دے
تیری آں میں تیری آں توں راتج نہ وسار دے

لوک بھاویں سچ آہندے غم نوں وسار دے
ہنجواں نوں پونجدے توں اکھیاں نوں ٹھار دے
پچھے ول موڑ واگاں دل نوں مہار دے
غم دی ایہہ رات جویں آئی آ گذار دے

دل دا ایہہ روگ پر دلاں والے جاندے
ایویں لوک متّیں دیندے سر نوں کھپاوندے

دکھ والی کوک اج کوئلے توں کوک نی
انبیاں دے دیس والا راگ کوئی چھوک نی
ماہی تیرے نال کیتا دس کی سلوک نی
کھول کے وکھا ذرا کالجے دی ہوک نی

میں بھی تیرے وانگ پئی رونی آں وچھوڑے نوں
کہڑا اہووے جوڑے جہڑا لیکھ دے اجوڑے نوں

سانبھ ہتھیں ونج بیڑی ٹھیل دے مہانیاں
رب تیری پوری پائے پور نوں لدانیاں
گھمناندے گھیر ٹھلّیں سوچ کے سیانیاں
چھیتی ذرا ونج لائیں اللہ تائیں بھانیاں

کونج وانگ کوکدی میں رہاں نہ اوراڑے
جند میری لباں اتے ماہی میرا پار ڑے

جگر لخت لخت

خلق و عالم جملہ در شور و شر اند
عشقبازاں در مقامِ دیگر اند

ہم کو کیا غیروں سے اور اُنکے جہاں سے واسطہ
ہم خدا کے ہیں خدا والوں کی دنیا اور ہے

❖ ❖ ❖

…ن عیش و طرب جل جائیگا اک آن میں
…یاں برسیں گی بادل کالے کالے آئیں گے

کشتیِ صبر و وفا پھنس جائیگی گرداب میں
قلزمِ آفات میں ہر سُو اچھالے آئیں گے

…ہبروں کے بھیس میں رہزن ملینگے سینکڑوں
…سجدوں کی شکل پہ لاکھوں شوالے آئیں گے

رہروِ راہِ فنا چلنا سمجھ کر سوچ کر
ظلمتیں آئیں گی پہلے پھر اُجالے آئیں گے

❖ ❖ ❖

…کلکِ ازل نے لکھدیا میری جبینِ شوق پر
یہ بھی ہے ایک حادثہ غم کے حوادثات میں

…ب و نظر ہیں منتظر اب بھی اُسی جمال کے
لات و منات کھو گئے جس کی تجلیات میں

دیر و حرم کی چشمکیں جسکو نہ فاش کرسکیں
ہم نے وہ راز پالیا تیری نگارشات میں

❖ ❖ ❖

ہم نے دل پر جو زخم کھائے ہیں — کیسے کیسے وہ رنگ لائے ہیں
کون جانے کہ میری قسمت میں — کتنی دھوپیں ہیں کتنے سائے ہیں
پونچھ آنسو یہ کیسا رونا ہے! — دیکھ مصلحؔ وہ کون آئے ہیں

⁂ ⁂ ⁂

دنیا کے مصیبت خانے میں آ جا کے یہی کچھ ہوتا تھا
الفت میں تمہاری جینا تھا فرقت میں تمہاری رونا تھا
بیکار الجھ کر بیٹھ گیا تو سود و زیاں کے جھگڑوں میں
الفت میں اگر کچھ پانا تھا ناداں سبھی کچھ کھونا تھا
ہو خیر الٰہی کس کو یہ تربت میں اتارا جاتا ہے
مصلحؔ کو ابھی تو دیکھا تھا بیمار وہ ایسا تو نہ تھا

⁂ ⁂ ⁂

جلتے ہی بجھا بیٹھے چراغِ دمِ ہستی — ہم نے تو سرِ شام ہی منہ دیکھا سحر کا
اے مرغِ سرِ بام نہ کر نغمہ سرائی — صیاد کو معلوم ہے رستہ تیرے گھر کا

⁂ ⁂ ⁂

سمندِ عمر نے ایسی دکھائی برق رفتاری
کہ ہم آتے ہی گویا چل دیئے ہیں تیری محفل سے
وہ کیسی بے بسی تھی اور مایوسی کا عالم تھا
ہمارے ڈوبنے کا حال پوچھے کوئی ساحل سے

⁂ ⁂ ⁂

...ٹی دنیا میں اگر نیم جانوں کی طرح　　کچھ گذاری دہر میں بے خانمانوں کی طرح
...تلاشِ یار میں دل کی جنوں افزائیاں　　جو لئے پھرتی ہیں مجھکو ساربانوں کی طرح

❖　❖　❖

بہار آئی پرندے چہچہائے　　شجر پھولے پھلے اور لہلہائے
مگر بے بر رہا نخلِ تمنّا　　بہت سینچا بہت آنسو بہائے

❖　❖　❖

بنایا تھا ترے عہدِ وفا نے　　مرے دلکو تمناؤں کی بستی
مگر حسرت کی اک یورش نے کردی　　تہ و بالا مری دنیا کی ہستی

❖　❖　❖

...ے لو لگا بیٹھے ہیں دنیا چھوڑ بیٹھے ہیں　　یہ دنیا کیا ہے عقبےٰ کی تمنا چھوڑ بیٹھے ہیں
...جانے بھرا کیا ہے تری مخمور آنکھوں میں　　جو انکو دیکھ بیٹھے ہیں وہ صہبا چھوڑ بیٹھے ہیں

❖　❖　❖

...ساہو یہ دنیا ستم سازوں کی دنیا ہے　　کسی طائر سے لیتے ہیں کسی صیاد کے بدلے

❖　❖　❖

...راندا جسے نصیب نے ہر در سے بے مراد　　اُس بینوا فقیر کی روتی صدا ہو تم

❖　❖　❖

...بربادیاں تو دیدۂ گریاں سے ظاہر ہیں　　تمہارا بھی اگر یوں امتحاں ہوتا تو کیا ہوتا

❖　❖　❖

...ے لینا یا اُداسا کھینچنا آساں نہیں　　آتا ہے ہونی زمانا دربدر پھرنے کے بعد

❖　❖　❖

پچھلا پہر بھی آیا اے شوخ اب تو آ جا — تارے بھی چھپ گئے ہیں گردونِ کہکشا
اچھا ہوا کہ دونوں خاکِ سیاہ ہوئے ہیں — اُس برقِ بے اماں سے طائر بھی آشیاں

پھر بڑھا اُنکے قدم لینے کو شوق — پھر سرِ تسلیم جھکتا جائے ہے
رو رہی ہے پھر مسلمانی مری — کفر کا اقرار ہوتا جائے ہے
کاش ہو جائے درِ اُمید وا — رہگذر میں کوئی روتا جائے ہے
تیرے دیوانے کی تربت کا نشاں
بے خبر آ دیکھ مٹتا جائے ہے

خنجر دھرا رہا وہیں شمشیر گر پڑی — ہم نے سرِ نیاز جھکایا تو رو دئے

کسی مجھ سے فرقت میں نالے ہوئے ہیں — مگر وہ کلیجہ سنبھالے ہوئے ہیں

کیسے گذریگی یہ پہاڑ سی رات — میری توبہ مرے خدا توبہ

بہایا خونِ دل برسوں کبھی خونِ جگر اپنا — نہ سمجھا تو نے اپنوں کو بھی وائے چشمِ
ازل سے زیرِ تیغِ آرزوئے یار بیٹھا ہوں — رہی نہ خود سری اپنی رہا باقی نہ سر

بیابانوں کی رونق میری ویرانی سے باقی ہے — دلِ فرقت زدہ میں جاں پریشانی سے

وفائیں اہلِ الفت کی ستمگاری سے قائم ہیں   یہ کاشانہ جہاں میں آتش افشانی سے باقی ہے

٭ ٭ ٭

کہتے ہیں لوگ مر گیا مضطرؔ گناہگار   اچھا ہوا درست ہوا اور بجا ہوا

٭ ٭ ٭

راضی برضا تھے میرے مرنے پہ جو مضطرؔ
اب پوچھتے ہیں حال وہ اس خاک بسر کا

٭ ٭ ٭

اٹھنے لگی ہے روئے منور سے پھر نقاب   کچھ ہے ضرور اہلِ محبت کی آہ میں

٭ ٭ ٭

وہ آئیں خدارا، خدارا وہ آئیں   سرِ رہ کھڑی ہیں مری التجائیں

٭ ٭

مضطرؔ کو جہاں میں گرتے ہی امیدِ کرم نے تھام لیا
عصیاں کی اندھیری راتوں میں رحمت کے اجالے ساتھ رہے

٭ ٭ ٭

نقابِ رخ سے اٹھا کر وہ شوخ کہتا ہے   اسے بھی گردشِ لیل و نہار کہتے ہیں
مرے گناہوں کو اتنا بڑھا نہ اے واعظ
بڑی ہے رحمتِ پروردگار کہتے ہیں

Khuda Bakhsh O. P. Library
Patna
Acc No. 13605
Date 27-1-79
Section